فرحت اشتیاق

ناولٹ

سقراط' بقراط قسم کی لڑکیاں مجھے ہمیشہ ہی سے زہر لگتی ہیں۔ بہت دقیق 'فلسفیانہ 'عالمانہ اور ادبی طرز گفتگو اور وہ بھی کسی لڑکی کے منہ سے 'میرے لیے بڑی ہی ناقابل برداشت قسم کی چیز ہے۔ اسی ناپسندیدگی کی وجہ سے مجھے ثوبیہ محسن بھی بری لگا کرتی تھی۔ پتا نہیں یہ لڑکی خود کو سمجھتی کیا تھی' ارسطو کی جانشین یا پھر افلاطون کے خاندان کا کوئی فرد۔ عام لڑکیوں والی تو اس میں کوئی بات تھی ہی نہیں۔ نہ بننے سنورنے کا شوق' نہ جیولری نہ میک اپ۔ ہر وقت کتابوں' اخبارات اور جرائد میں منہ دیے پتا نہیں کون سے الجھے ہوئے مسائل کا حل تلاش کیا کرتی تھی۔ اس کے لیے تفریح کی بہترین جگہ یا تو کوئی لائبریری تھی یا پھر کوئی بک فیئر' کوئی سیمینار' کوئی سائنسی نمائش' کتابوں سے اس کا اتنا عشق دیکھ کر مجھے اکثر اپنے بچپن کا ایک شعر یاد آجایا کرتا تھا' جو میرا جگری دوست فراز اکثر سنایا کرتا تھا۔

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
کتابوں میں دفن ہوں گے ورق ہو گا کفن اپنا

پتا نہیں یہ شعر اس نے کہاں سنا تھا۔ مجھے چونکہ شعر و شاعری سے کوئی علاقہ نہیں' اس لیے اس بارے میں قطعی طور پر کچھ کہہ نہیں سکتا اور ثوبیہ کو دیکھ کر

مجھے اکثر فراز اور اس کا وہ شعر ضرور یاد آیا کرتے تھے۔

ثوبیہ محسن جو میری سگی ماموں زاد تھی۔ اسے سب پیار سے بیبہ کہا کرتے تھے اور میں کسی پیار میں تو نہیں البتہ سب کی تقلید میں اسے بیبہ ہی کہا کرتا تھا۔ یوں میری اس سے کوئی خاص انڈراسٹینڈنگ نہیں تھی۔ کزنز ہونے کی حیثیت سے جو تھوڑی، بہت بات چیت ہمارے درمیان ہوا کرتی تھی، اس میں بھی دوستی کا رنگ ہرگز شامل نہیں ہوتا تھا۔ بچپن میں مجھے اس کے اس بقراطی پن کا اتنا زیادہ اندازہ نہیں تھا۔ میرا سارا بچپن قطر میں گزرا تھا۔ میں ان بچوں میں سے ہوں جو منہ میں سونے چاندی کی کٹلری لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ دولت کی ریل پیل تھی، کوئی روک ٹوک کرنے والا کوئی تھا نہیں اسی لیے تھوڑا سا لاپروا اور حد درجہ ضدی ہو گیا تھا۔

میں سات سال کا تھا جب ممی کا انتقال ہو گیا تھا۔ ممی کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد پاپا نے دوسری شادی کر لی تھی۔ سلمیٰ آنٹی جو میری سوتیلی ماں تھیں۔ ان کے ساتھ میری کبھی بھی انڈراسٹینڈنگ نہ ہو سکی۔ یہ تو نہیں تھا کہ وہ مجھ پر سوتیلی ماؤں والے روایتی مظالم کرتی تھیں اور نہ ہی میں اتنا سیدھا اور معصوم تھا کہ خاموشی سے ظلم برداشت کروں، مگر پھر بھی پاپا کی شادی کے بعد میں اپنے گھر اور پاپا سے تھوڑا سا دور ہو گیا تھا۔ ننھیالی رشتہ داروں میں مجھے اپنے ماموں جان کا گھرانہ بہت پسند تھا۔ اس پسندیدگی کی سب سے بڑی وجہ میری سویٹ سی مامی تھیں۔ اسکول کے دنوں میں، میں دو چار مرتبہ ان لوگوں ہاں چھٹیاں گزار کر جا چکا تھا اور ہر بار مامی کا پُرشفقت اور ممتا بھرا انداز مجھے دوبارہ ان لوگوں کے گھر آنے کی وجہ فراہم کیا کرتا تھا۔ بیبہ ماموں جان کی اکلوتی بیٹی تھی۔ تب میں تھوڑے بہت دنوں کے لیے مہمان کی حیثیت سے آیا کرتا تھا۔ اس لیے محترمہ کا افلاطون پن اتنا زیادہ میرے سامنے کھل کر نہیں آسکا تھا۔ اس وقت اس کی کبھی کبھار کی عالمانہ گفتگو کو میں اتفاقیہ بات سمجھ کر برداشت کر لیا کرتا تھا۔ مگر جب سے میں پڑھنے کی وجہ سے کراچی آیا تھا اور ماموں جان ہی کے گھر ٹھہرا تب سے اس کے عالم فاضل پن سے اچھی طرح واقف ہو گیا تھا۔ پاپا مجھے الیکٹریکل انجینئرنگ کرنے کے لیے اسٹیٹس بھیجنا چاہتے تھے، مگر میں نے وہاں کے مقابلے میں پاکستان جا کر پڑھنے کو ترجیح دی تھی۔

شاید میرے اندر کہیں ماں سے محرومی کا احساس بچپن ہی سے پروان چڑھ رہا تھا۔ سلمیٰ آنٹی کے اجنبی رویوں نے مجھے کبھی بھی ان کو ماں کی حیثیت دینے پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ پاپا میرے اس فیصلے پر حیران تھے مجھے خود بھی اپنے آپ پر تعجب تھا۔ شروع میں مجھے خود نہیں معلوم تھا کہ میں نے صرف اور صرف مامی کی وجہ سے کراچی جا کر پڑھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ پاپا کو میں نے اطمینان دلا دیا تھا۔

"بیچلرز ڈگری پاکستان سے لے لوں پھر اس کے بعد جہاں سے آپ کہیں گے وہیں سے ماسٹرز کروں گا۔"

میرے فیصلے کس انداز پر وہ مان گئے تھے اور جو میں ماموں جان کے گھر آنے کے لیے بے تاب تھا تو کچھ غلط تو نہیں تھا۔ ماموں جان کے ساتھ میرا ظاہر ہے خونی رشتہ تھا، مگر مامی جس طرح مجھ پر ممتا نچھاور کرتیں، جس جس طرح میرا خیال رکھتیں وہ سب مجھے بہت اچھا اور غیر معمولی سا لگا کرتا تھا۔ دولت سے محبت نہیں خریدی جاسکتی۔ پاپا کے پاس دولت کے انبار تھے مگر میرے لیے محبت نہیں تھی۔ یا شاید محبت تو تھی وہ اس کا اظہار کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ میں نے این ای ڈی یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا تھا۔

بیبہ کراچی یونیورسٹی سے انٹرنیشنل ریلیشنز میں آنرز کر رہی تھی۔ وہ مجھ سے ایک سال چھوٹی تھی مگر ظاہر یوں کرتی گویا میری نانی دادی ہے۔

"تمہارے امتحان سر پر ہیں اور تم دوستوں اور آؤٹنگز میں مصروف ہو۔ کچھ سیریس ہو جاؤ پڑھائی میں۔" روک ٹوک تو میں نے کبھی کسی کی برداشت نہیں کی تھی، اس چھٹانک بھر کی لڑکی کو تو میں لاتا کس

میں تھا۔
شروع شروع میں، میں نے اس کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرنے کی کافی کوششیں کیں، مگر جلد ہی مجھے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ اس سے دوستی کرنے کا مطلب یہ تھا کہ پھر آپ گھنٹوں بیٹھ کر انتہائی خطرناک اور خوفناک قسم کی گفتگو کو برداشت کریں اور جہاں تک میرا سوال ہے تو مجھے اس بات میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوتی کہ مرزا محمد ہادی امراؤ جان کیا لکھ کر رسوا کیوں ہوئے اور یہ کہ ایک صاحب تھے، اسد نام کے جو بچپن میں مجنوں پر سنگ اٹھایا کرتے تھے اور بڑے ہو کر بے چاروں کا منہ اس قابل بھی نہیں رہ گیا تھا کہ کعبہ جاسکتے۔

ابتدائی چند نشستوں کے بعد تو میں خود ہی اس کے ساتھ زیادہ اٹھنے بیٹھنے سے پرہیز کرنے لگا تھا۔ اس کی اپنے ہم عمروں کی بہ نسبت ماموں جان کی ایج گروپ کے لوگوں سے زیادہ بنا کرتی تھی۔ ماموں کے تمام دوستوں کی وہ انتہائی پسندیدہ لڑکی تھی۔ اکثر وہ ماموں جان کے ساتھ جم خانہ چلی جایا کرتی تھی، صرف ان کے کسی دوست سے گفت و شنید کرنے کے لیے۔

”بہت دن ہو گئے لیاقت انکل سے ملاقات نہیں ہوئی۔“

وہ ماموں جان سے مخاطب ہوتی اور وہ بغیر کوئی اعتراض کیے، صاحبزادی کو ساتھ لے جاتے اور یہ لیاقت انکل جو عمر میں ماموں جان سے شاید کچھ بڑے ہی ہوں گے، اسٹیٹ بینک میں کسی اونچی پوسٹ پر فائز تھے۔ پچھلے دنوں جب وہ اپنی بیگم اور دونوں صاحبزادیوں کے ساتھ ماموں جان کے ہاں ڈنر پر آئے تھے۔ تب بیہ پورے وقت روپے کی قیمت کے عدم استحکام اور معیشت کی زبوں حالی، یورو کے آنے کے بعد ڈالر پر کیا اثرات مرتب ہوئے، یورپی ممالک کی کرنسی ایک ہو جانے کے نتیجے میں اسٹیٹ بینک کو کیا کیا فوائد حاصل ہوئے وغیرہ پر کافی سیر حاصل گفتگو کر رہی تھی۔ لیاقت انکل اس کی عالمانہ گفتگو سن کر جھوم رہے تھے۔ چلتے وقت انہوں نے ماموں جان سے کہا تھا۔

”محسن تمہاری بیٹی جینئس ہے۔ اتنی ذہین اور قابل۔ بہت آگے جائے گی بھئی تمہاری بیٹی۔ لکھوالو مجھ سے، یہ لڑکی خوب نام کمائے گی۔“

کہنے کے ساتھ ساتھ اپنی بیٹیوں پر ملامتی نظریں بھی ڈالی تھیں، جو پڑھائی میں تو اچھی خاصی تھیں مگر بجائے اپنی قابلیت بڑھانے اور مطالعہ کرنے کے سارا وقت فیشن اور کپڑوں کے مرض میں مبتلا رہا کرتی تھیں۔ ماموں جان ان کے تبصرے پر فخریہ انداز میں مسکرائے تھے۔ جہاں تک میرا سوال ہے مجھے لیاقت انکل کی بیٹیاں نارمل اور ماموں جان کی صاحبزادی سنکی محسوس ہوتی تھی۔ ماموں جان کا ہر دوست اور ہر ملاقاتی اس کی قابلیت کے یونہی گن گایا کرتا تھا اور ان تعریفوں پر محترمہ خود کو کوئی توپ چیز سمجھنے لگی تھیں۔

ماموں جان کے برابر والے مکان میں جو پروفیسر

صاحب رہا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ ثوبیہ کی خاص
طور پر بہت ہی زیادہ دوستی تھی۔ کبھی پڑھائی کی دھن
میں مگن بیہ صاحبہ ان کے گھر نہ جا پاتیں تو وہ فوراً خود
ہی تشریف لے آیا کرتے تھے۔ پروفیسر حضرات تو چلو
ہوتے ہی ایسے ہیں مگر یہ لڑکی ان کے ساتھ گھنٹوں بیٹھ
کر عجیب عجیب باتیں بڑے ہی مزے میں کیا کرتی
تھی۔ کبھی میں کہیں باہر سے آتا، پروفیسر انکل اور بیہ
لان چیئرز پر براجمان نظر آتے، آپس میں خوب زوردار
بحثیں ہو رہی ہیں۔ کبھی کبھی اس محفل میں ماموں
جان بھی شریک ہوتے تھے۔ وہ بحث و مباحثے سے
زیادہ بیٹی کی قابلیت کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے
رہتے تھے۔ اندر جاتے جاتے میرے کانوں میں کچھ
اس قسم کی آوازیں آیا کرتی تھیں۔

"اقبال نے تو حسن کو خدا سے شکوہ کرتے ہوئے
دکھایا کہ جہاں میں کیوں نہ مجھے لازوال کیا مگر کیٹس کا
اس بارے میں اقبال سے ذرا مختلف نظریہ ہے۔" بیہ
مقررانہ انداز میں کہتی۔

"پروفیسر انکل اس کی بات کی نفی کرتے، اپنی جوابی
دلیل پیش کرتے اور بحث طویل سے طویل ہوتی چلی
جاتی۔ یا پھر یہ کہ "ہاں شیکسپیئر کے اس سانٹ کا
جواب نہیں ہے۔ محبت کی گہرائی بڑی خوبصورتی سے
ظاہر کی ہے اس سانٹ میں شیکسپیئر نے، اور اسی
بات پر تو فیض کا وہ خوب صورت مصرعہ بھی یاد آتا ہے
کہ "پریم کتھا کا انت نہ کوئی" کتنی گہرائی ہے اس
مصرعہ میں۔"

اور میں اس قسم کی باتیں سن کر جلدی سے
اندر مامی کے پاس بھاگتا تھا۔ ماموں جان کے ساتھ بیٹھ
کر روزانہ بڑی پابندی سے بزنس نیوز دیکھا کرتی تھیں
محترمہ۔ میں نے آج تک کبھی کسی لڑکی کو اسٹاک
ایکسچینج کی صورتِ حال پر اتنی روانی سے بولتے نہیں
سنا تھا۔ انڈکس کتنے پوائنٹس بڑھا، حصص کے
کاروبار میں مندی کا رجحان کیوں رہا اور سرمائے کی
مالیت کتنے کھرب اور کتنے ارب روپے پر پہنچی ہوئی
ہے۔ وہ بڑی روانی سے اپنے والدِ محترم کی معلومات
میں اضافہ کرنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔

پچھلے دنوں مامی کے رشتے کے کوئی بھائی جو اندرون
سندھ کہیں رہتے تھے اور زمینداری کے پیشے سے
وابستہ تھے کراچی آئے ہوئے تھے۔ ان کی اپنی کئی ایکڑ
قابلِ کاشت اراضی تھی۔ جس پر وہ گنے کی فصل اگایا
کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی بہن کے گھر قیام کرنے
ہی کو ترجیح دی تھی اور بیہ کو ان کے ساتھ زراعت کے
موضوع پر تفصیلی تبادلہ خیال کرتا دیکھ کر میں پریشان
ہو گیا تھا۔ یہ لڑکی واقعی کریک ہے۔ کوئی موضوع
چھوڑا بھی ہے اس نے یا نہیں۔ وہ اتنے مزے سے
ان سے گنے کی کاشت کے لیے پانی کی صحیح مقدار کی
فراہمی پر بات چیت کر رہی تھی۔

"سمجھیں مارچ، اپریل سے ہی گنے کی فصل کے
لیے پانی کی درست مقدار فراہم ہو جانی چاہیے۔"
وہ گلاسز اپنی ناک پر سیٹ کرتی سنجیدگی سے بول
رہی تھی اور مامی کے عزیز بھائی جان بھانجی صاحبہ کی
باخبری کے معترف ہوئے جا رہے تھے۔ کرنٹ افیئرز
کی تو خیر بات ہی کیا تھی۔ وہ سب تو محترمہ کی فنگر ٹپس
پر رہا کرتے تھے۔ گیارہ ستمبر کے بعد کے واقعات بیشتر
اسلامی ممالک کی Pro-American پالیسی، چائنا،
رشیا اور انڈیا کی چپکے چپکے امریکہ کے خلاف ایک نئے
بلاک کی تشکیل، مسلمان ممالک کے عوام کا بتدریج
امریکہ کے خلاف بڑھتا ہوا غم و غصہ اور نفرت، کیوبا
کے قیدی، وال اسٹریٹ جرنل کا صحافی اور چرچ پر
حملہ۔ ان سب کے پس پردہ اصل حقائق۔ دن بھر میں
وہ جب تک چار پانچ اخبارات و جرائد کھنگال نہیں
ڈالتی تھی اسے چین نہیں آتا تھا۔ جنگ اور ڈان سے
شروع ہوتا یہ سلسلہ ٹائمز، واشنگٹن پوسٹ، خلیج ٹائمز
نیوز ویک، گارجین، وال اسٹریٹ جرنل وغیرہ وغیرہ تک
دراز ہو جایا کرتا تھا۔

ماموں جان اپنی جینئس اور انٹلکچوئل
صاحبزادی پر بہت فخر کیا کرتے تھے، مگر مامی کو میں نے
کبھی اس کی ان باتوں پر خوش ہوتا نہیں دیکھا تھا
اگرچہ انہوں نے کبھی اس بارے میں کوئی بات نہیں

کی تھی مگر مجھے پھر بھی اندازہ تھا کہ وہ ان باتوں پر چڑتی ہیں۔

مجھے یہاں رہتے تین سال ہو گئے تھے۔ تھرڈ ایئر کا امتحان دے کر میں حال ہی میں فائنل ایئر میں آیا تھا۔ ان گزرے تین برسوں میں میری مامی کے ساتھ بہت ہی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ بیٹی صاحبہ کے پاس تو غیر متعلقہ باتوں کے لیے زیادہ وقت نہیں ہوتا تھا سو مامی اپنی ہر بات مجھ سے ہی شیئر کیا کرتی تھیں۔

پاپا اس تمام عرصہ میں ایک بار مجھ سے ملنے کراچی آئے تھے۔ میں بھی تین مرتبہ دورا ہو آیا تھا۔ فون وغیرہ پر تو پاپا اور دونوں بھائیوں کے ساتھ رابطہ رہا ہی کرتا تھا۔ بیہ کا آنرز کا آخری سال تھا۔ ان ہی پرسکون دنوں میں مامی نے ایک روز اپنی محبت کا واسطہ دے کر ایک نئی مشکل اور ناممکن خواہش مجھ سے کر دی کہ میں سکتے کی کیفیت میں منہ پھاڑے کتنی دیر تک ان کو تکتا رہا۔ میرا دل چاہ رہا تھا میں مامی سے کہوں اس کے بجائے آپ مجھ سے یہ کہتیں۔

"عباس! اگر مجھ سے محبت ہے تو میری خاطر ماؤنٹ ایورسٹ سر کر کے دکھاؤ یا انٹارکٹیکا کے سرد ترین موسم میں تن تنہا تین چار ماہ رہ کر دکھاؤ۔"

میں یہ سب کر گزرتا مگر جو بات انہوں نے مجھ سے التجائیہ انداز میں آنکھوں میں آنسو بھر کر منوائی تھی۔ وہ دنیا کی ناممکن ترین بات تھی۔ فوری طور پر تو میں ان کے آنسوؤں اور التجاؤں کے زیر اثر آگیا تھا اور کوشش کے باوجود انہیں منع نہیں کر پایا تھا۔ مگر اس کے بعد میں جذبات کا طوفان تھم جانے پر غور کیا کہ مامی کی محبت میں، میں نے کتنے مشکل کام کی ذمہ داری قبول کر لی ہے تو میرے ہوش ٹھکانے آگئے تھے۔ ان کی سقراط کی نانی ٹائپ بیٹی اس وقت بھی ٹی وی پر نیشنل جیوگرافک چینل پر کینگروز سے متعلق ڈاکو منٹری دیکھنے میں مگن تھی، جس وقت وہ آہستہ آواز میں مجھ سے التجائیں کر رہی تھیں۔

"ایک ہی بیٹی ہے میری۔ ایسے کون پسند کرے گا تمہارے ماموں جان کو تو کسی بات کا ہوش ہی نہیں ہے۔ لاڈ پیار میں بیٹی کا ستیاناس کر دیا۔ دنیا میں کتنے لوگ ہیں جن کے ایک ہی اولاد ہوتی ہے مگر وہ ان کی مناسب پرورش کرتے ہیں۔ اس کی ان باتوں پر شروع ہی سے انہوں نے ضرورت سے زیادہ تعریفیں کر کے اسے بالکل ہی خبطی بنا دیا ہے۔ دیکھو ذرا اپنی عمر کے لوگوں میں اٹھتی بیٹھتی ہی نہیں ہے۔ تم کچھ ایسا نہیں کر سکتے عباس کہ میری بیٹی نارمل ہو جائے۔ نارمل لڑکیوں کی طرح بی ہیو کرنے لگے۔ مجھے تو اب اس کی شادی سے متعلق سوچ سوچ کر ہول اٹھنے شروع ہو گئے ہیں۔ خاندان میں کسی ایک نے بھی کبھی اشارتاً بھی بیہ کے لیے پسندیدگی کا اظہار نہیں کیا اور خاندان والے بھی اپنے اس رویے پر حق بجانب ہیں۔ ایسی علامہ قسم کی لڑکیاں کس کو پسند آئیں گی۔"

بیہ ان تمام باتوں سے یکسر لاتعلق کینگروز کا لائف اسٹائل، ان کی غذا اور نشوونما کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں مصروف تھی۔ آج کل وہ کتابیں بھی شکاریات ہی کے موضوع پر پڑھ رہی تھی۔ مامی نے اس روز پہلی مرتبہ مجھ سے بیہ کے بارے میں تفصیلی بات کی تھی۔ وہ اس کی حرکتوں پر سخت شاکی اور نالاں تھیں۔ اس کے مستقبل کی طرف سے بے حد فکر مند تھیں۔

دراصل پچھلے دنوں ان کی بڑی بہن جو اٹلی میں رہا کرتی تھیں۔ اپنے لائق فائق اور ہینڈسم بیٹے کے لیے خاندان میں سے کسی لڑکی کا انتخاب کرنے پاکستان آئی تھیں۔ ان کی آمد کی وجہ سمجھتے ہوئے سارا خاندان ہی ان کے استقبال کے لیے نہایت پرجوش تھا۔ مامی اور ان کی بہن میں بہت محبت تھی اور اکثر فون وغیرہ پر بات ہونے پر مامی نے ان کے انداز میں یہ بات محسوس کی تھی کہ وہ بیہ میں انٹرسٹڈ ہیں۔ انٹرسٹڈ وہ بے چاری یوں ہو گئی تھیں کہ انہوں نے بچپن کے بعد سے بھانجی کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ بس خود ہی خود فرض کر لیا تھا کہ میری بہن کی بیٹی ہے تو ہو بہو اسی جیسی ہو گی۔ مامی نے ان کے آنے سے پہلے بیہ کو کافی کچھ سمجھایا تھا۔ اس نے ان کی نصیحتوں پر تو کیا عمل کرنا تھا۔ ہاں

اپنی زبان وبیان کے کرشمے خوب دکھائے تھے۔ خالہ
جان سے پہلی ہی ملاقات میں اس نے مامی کے ارمانوں
پر اوس ڈال دی تھی۔ میں تو ان تمام ملاقاتوں میں
موجود نہیں رہا تھا، مگر مامی نے مجھے تفصیل سے ساری
باتیں بتائی تھیں۔ بجائے خالہ جان کو اپنے سگھڑاپے،
رکھ رکھاؤ اور ان کے ہونہار فرزند کو اپنی خوب صورتی
اور ڈریسنگ سے متاثر کرنے کے وہ ان سے اٹلی کی
تاریخ، وہاں کے لوگ اور وہاں کے طرز زندگی پر گفتگو
کرتی رہی تھی۔ خالہ جان بھانجی کے منہ سے اتنی
روانی سے انٹلکچوئل گفتگو سن کر انگشت بدنداں
بیٹھی تھیں۔

"سارے یورپ میں آپ کو اتنے چور اور جیب
کترے نہیں ملیں گے جتنے اٹلی میں اور نیپلز تو خیر مافیا
کے سلسلے میں مشہور ہے ہی۔"

وہ کزن صاحب سے سنجیدگی سے کہتی پھر کچھ دیر
بعد اپنے خالو سے جو سوئے اتفاق کنسٹرکشن کے بزنس
سے وابستہ تھے، ان سے وہاں کے آرکیٹکچر پر باتیں
شروع کر دیتی۔

"ٹاور آف پیسا کو کون نہیں جانتا۔ پیسا صرف اسی
لیے تو مشہور نہیں کہ وہاں گلیلیو پیدا ہوا تھا۔ وہاں کا
مشہور ٹاور وہ کیوں ٹیڑھا ہو گیا اس بارے میں تو آج
تک انجینئرز اور آرکیٹکٹس بحث ومباحثہ کرتے
ہیں۔"

پھر روئے سخن خالہ جان کی طرف ہو جاتا۔

"اٹالین پزا اور پاستا اب پاکستان میں بھی بہت
مقبول ہیں۔ زیتون تو خوب وافر پیدا ہوتی ہے اٹلی میں،
اور روایتی اٹالین دعوتیں کتنی مزے کی ہوتی ہیں۔
مہمانوں کے سامنے ایک دم سے ساری میز نہیں سجا
دیتے ہماری طرح۔ بلکہ ایک ایک کر کے ڈشنز کی
رونمائی ہوتی ہے۔ اکثر مہمان بے چارے اس لالچ
میں کہ کیا پتا اگلی ڈش، اس والی ڈش سے زیادہ مزے دار
ہو پہلی کو ذرا سا چکھنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ بعد میں پتا
چلتا ہے کہ پہلی ہی ڈش عمدہ تھی، بعد والی تو یونہی سی
ہے۔ کتنا پر تجسس قسم کا ہوتا ہے ان لوگوں کا ڈنر۔"

وہ مامی کی تنبیہی نظروں سے بے نیاز مسلسل گل
افشانی کرتی رہی۔

"آپ کیا کبھی اٹلی گئی ہیں؟" آخر کار کزن صاحب
نے مجبور ہو کر پوچھ ہی لیا تھا۔

"نہیں، میں کبھی اٹلی نہیں گئی۔ ہاں اسپین گئی تھی
ایک مرتبہ ماما اور ڈیڈی کے ساتھ۔ برابر برابر تو ہیں
دونوں ملک۔ اٹالین اور اسپینش زبانوں میں کچھ
خاص فرق بھی نہیں ہے۔ جسے اسپینش آتی ہو، وہ
اٹالین بہت جلدی سیکھ سکتا ہے بالکل اسی طرح جیسے
جاپانی اور کورین زبانیں۔"

وہ فصاحت وبلاغت کے دریا بہا رہی تھی۔ مامی کے
خدشات سو فیصد سچ ثابت ہوئے تھے۔ خالہ جان نے
بہن سے اوپری دل سے بھی بھانجی کے لیے بات نہیں
کی تھی، بلکہ اپنے بھائی کی بیٹی کو پسند کر کے جھٹ
منگنی اور پٹ بیاہ کا انتظام کروایا تھا اور اسی واقعہ نے
مامی کو حالات کی سنگینی کا احساس دلایا تھا۔

"میری کوششوں سے اگر اس کے لیے کوئی رشتہ
آ بھی گیا تو یہ ہر بار اسی طرح کی حرکتیں کیا کرے گی۔"

وہ میرے سامنے بیٹھی زاروقطار رو رہی تھیں۔
کاش میں مامی سے اتنی محبت نہ کرتا ہوتا، کم از کم ان کو
منع تو کر دیتا۔ وہ لڑکی جو مجھ سے دو سیکنڈز کے لیے بھی
برداشت نہیں ہوتی تھی، اسے میں سدھاروں اور
اسے سدھار لینا کیا اتنا آسان کام تھا۔

یوں میں کوئی زاہد خشک نہیں، ایسے میں اگر میری
کزن صاحبہ کچھ ڈھنگ کی مخلوق ہوتیں تو میں مامی
کے کہنے پر اس بگڑی ہوئی لڑکی کو سدھارنے میں
خوشی محسوس کرتا۔ مگر وہ چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا، اسے
برداشت کرنا تو جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ چلو
کسی ایک آدھ مضمون میں اس کی دلچسپی ہوتی تو میں
دل پر بھاری پتھر رکھ کر اسے سننا گوارا کر لیتا۔ مگر یہاں
تو دنیا زمانے کا کوئی موضوع ایسا نہیں تھا، جس میں
آنسہ ڈاکٹریٹ کیے ہوئے نہیں تھیں۔

♥ ♡ ♡ ♥
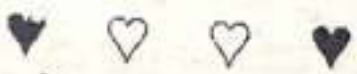
میں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا خوشی خوشی مامی کے

ہاتھوں کے پکے مزے دار لنچ سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ کھانے پینے کا میں شوقین ہوں اور مامی میرے اس شوق کی تسکین کا اکثر ہی خاصا معقول انتظام کرتی ہیں۔

"مزہ آگیا مامی! یہ چھولوں کا پلاؤ اور پالک پنیر، پچ کتنے دنوں سے میرا یہ دونوں چیزیں کھانے کو دل چاہ رہا تھا۔"

مامی نے خوب صورت سے کرسٹل کے پیالے میں جیلی وغیرہ سے سجے سجائے کسٹرڈ کو میرے آگے رکھا تھا اور کسٹرڈ دیکھتے ہی میں نے چاول کی ڈش اٹھاتے اپنے ہاتھوں کو فوراً" روک لیا تھا۔ میٹھا تو مجھے اتنا پسند ہے کہ صرف سوئیٹ ڈش سے ہی پورا پیٹ بھر سکتا ہو۔ وہ میرے لیے اپنے ہاتھوں سے کسٹرڈ نکالنے لگی تھیں۔ مامی کی یہی باتیں تو مجھے ان کا دیوانہ بناتی ہیں۔ اس طرح میرا خیال رکھتی ہیں کہ میں خود کو کسی سلطنت کا راجا مہاراجا سمجھنے لگ جاتا ہوں۔ شاید مامی کو بیٹا نہ ہونے کی محرومی کا احساس تھا اور وہ میرے لاڈ اٹھا کر بیٹے کی کمی پورا کرنے ہی کی کوشش کرتی ہیں۔

"تم نے کچھ کیا عباس؟"

کچھ دیر بعد مامی نے مجھ سے آہستگی سے دریافت کیا تھا۔ لنچ پر اکثر میں مامی کی وجہ سے گھر آجایا کرتا تھا۔ میرے دوست گھر جلدی بھاگنے پر میرا مذاق اڑاتے تھے مگر میں پروا نہیں کرتا تھا۔ میرے شرمندگی کے عالم میں نفی میں سر ہلا دینے پر وہ مزید مایوس سی ہو گئی تھیں۔

"آپ فکر مت کریں، کرتا ہوں میں کچھ۔" مجھے خود نہیں معلوم تھا کہ میں کروں گا کیا، مگر پھر بھی ان کی اداس شکل مجھ سے دیکھی نہیں جا رہی تھی، اسی لیے تسلی دینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"پلیز کچھ کرو عباس! مجھے فکر کے مارے راتوں کو نیند نہیں آتی۔ آج کل تو اچھی خاصی لڑکیوں کے رشتے مسئلہ بنے ہوئے ہیں۔ نہ کپڑوں کا ہوش نہ بالوں کی فکر۔ اپنی دنیا میں مگن۔ کوکنگ کے نام پر شاید وہ صرف چائے ہی بنا سکتی ہے اور وہ بھی جوشاندے سے ملتے جلتے مزے والی۔ میں تو سب کوششیں کر کے دیکھ چکی، مگر اسے تو جیسے کسی بات سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے۔ کل میں نے کسی بات پر جل کر کہہ دیا کہ "ان حرکتوں پر کون بیاہنے آئے گا تمہیں" تو جھٹ سے جواب میں بولی "نہ آئے۔ یہ مرد ذات اس قابل بھی نہیں کہ اس پر سوچا جائے۔ عورتوں کو اپنا محکوم بنا کر خوش ہوتے ہیں مرد۔ میں تو کبھی کسی کی حاکمیت برداشت نہ کروں۔" کہتے وقت یہ ہوش بھی نہیں تھا کہ ابا جان بھی وہیں تشریف فرما ہیں اور ان کی سنو بجائے اسے کچھ سرزنش کرتے یا سمجھاتے خاموشی سے بیٹھے مسکراتے رہے۔"

وہ بہت شکستہ لہجے میں بول رہی تھیں۔ اچھا خاصا مزے دار کسٹرڈ مجھے انتہائی بدذائقہ اور کڑوا محسوس ہونے لگا تھا۔

"اچھا مامی! آپ کی خاطر میں یہ کڑوا گھونٹ پینے پر آمادہ ہوں۔" میں نے دل ہی دل میں انہیں مخاطب کیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥
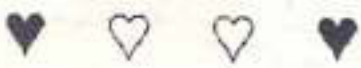
شام میں وہ افلاطون کی نانی اپنے وزن سے بھی کئی گنا وزنی کتاب ہاتھوں میں لیے لان میں بیٹھی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے بیہ؟" لہجہ دوستانہ کر کے میں اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ کتاب پر سے سر اٹھا کر مجھے گھور کر دیکھا گیا تھا۔ گلاسز کے پیچھے سے جھانکتی وہ خطرناک نگاہیں مجھے بری طرح سہما گئی تھیں۔

"آج کل تم یونیورسٹی کتنا لیٹ جانے لگے ہو۔ پہلا پیریڈ تو روزانہ ہی مس ہو جاتا ہو گا۔ یہ کھیل کود اور تفریحات کام نہیں آئیں گی زندگی میں، جو لوگ اپنے آج کی قدر نہیں کرتے ان کا آنے والا کل ان کی قدر نہیں کرتا۔"

میرا بس نہیں چل رہا تھا اس علامہ ابن علامہ کو ایسی ایسی سناؤں کہ طبیعت صاف ہو جائے۔

وہ مجھے نصیحت کر کے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ کتاب کی سمت توجہ کر چکی تھی۔ جہاں تک میری اسٹڈیز کا سوال ہے تو اس معاملے میں، میں کبھی بھی

لاپروا نہیں رہا۔ میں نے اپنے لیے وہی مضامین پسند کیے تھے جن میں پر مجھے دلچسپی محسوس ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ مجھے اپنے دیگر کلاس فیلوز کی طرح رٹے مارنے اور نوٹس کے پیچھے بھاگنے کی قطعاً" کوئی ضرورت نہ تھی۔ کلاس میں ہونے والا لیکچر ہی میرے لیے کافی ہوا کرتا تھا۔ الیکٹریکل انجینئرنگ سے متعلق کتابیں پڑھنا' پروفیشنل جرنلز کا مطالعہ کرنا' کرنٹ افیئرز سے باخبر رہنا' بس میں اس حد تک خود کو محدود رکھنا پسند کیا کرتا تھا۔ ان ٹاپکس کے علاوہ اسپورٹس کا موضوع بھی ایسا ہے جس کے بارے میں میری معلومات ہمیشہ مستند اور اپ ٹو ڈیٹ ہوتی ہیں۔ اسکول' کالج تک اپنے اسکول کی اسنوکر ٹیم کا کیپٹن بھی رہ چکا ہوں اور باکسنگ چیمپئن بھی اور اب بھی پابندی سے اسکواش اور ٹیبل ٹینس کھیلنا پسند کرتا ہوں۔ پابندی سے اس لیے کیونکہ مجھے اپنی فٹنس بہت عزیز ہے مگر یہ میرے ماموں جان کی اکلوتی صاحبزادی پتا نہیں خود کو میری نانی' دادی سمجھنے پر کیوں تلی بیٹھی رہتی تھی۔ مامی کا خیال نہ ہوتا تو اس فضول لڑکی پر دس بار لعنت بھیج کر اپنے کمرے میں جا چکا ہوتا۔

"کیا پڑھ رہی ہو؟" دھڑکتے دل کے ساتھ میں نے کچھ دیر بعد سوال پوچھا تھا۔ "یا اللہ! مجھ کمزور اور ناتواں پر رحم فرما۔"

اب کی بار چہرے پر تھوڑی سی رعونت لاتے ہوئے مجھے جواب سے نوازا گیا تھا۔ "آج کل میں ابنِ خلدون کو پڑھ رہی ہوں۔"

"کچھ مجھے بھی سناؤ۔ مجھے بھی ہسٹری سے کافی دلچسپی ہے۔"

بچپن میں کبھی کہیں پڑھا تھا کہ ابنِ خلدون کوئی تاریخ دان تھے۔ اسی وجہ سے اتنی بات بول پایا تھا۔ میری بات سنتے ہی اس کے لبوں پر خوشگوار سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

ڈیڑھ گھنٹہ تک میں مسلسل دل ہی دل میں اس دعا کو دہراتا رہا تھا۔ اس نے کیا کیا کہا وہ سب میرے سر کے اوپر سے گزر رہا تھا' میں تو بس خود کو صبر کی تلقین کرتا وہاں جم کر بیٹھا ہوا تھا۔

"آج کے تاریخ دان دراصل ابنِ خلدون ہی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ تاریخ کس طرح مرتب کرتے ہیں۔ اس بارے میں لوگوں کو ابنِ خلدون ہی سے استفادہ کرنا پڑتا ہے۔"

خدا کے واسطے ابن خلدون کی پڑنانی چپ ہو جاؤ۔ میرا دل دہائیاں دے رہا تھا۔ مامی یہ آپ نے مجھے کس الجھن میں ڈال دیا۔

♥ ♡ ♡ ♥
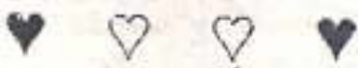
چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں' زندگی دشوار ہو جائے

"مہاتما گوتم بدھ چھٹی صدی قبل مسیح میں کپل وستو یعنی جو آج کل نیپال کہلاتا ہے وہاں راجا شدھودھن کے ہاں پیدا ہوئے تھے۔"

"ٹالسٹائی نے بہت کچھ لکھا اور بہت اچھا لکھا' مگر وار اینڈ پیس کا تو جواب نہیں' سنو ذرا تم یہ پیراگراف حیران رہ جاؤ گے۔"

"حافظ شیرازی کی غزلوں میں سادگی کے ساتھ ساتھ رنگینی بھی ہے اور ایک عجیب پر تاثیر سی کیفیت ہے مثلاً یہ اشعار......"

"دانتے کی شاعری اکثر لوگوں کو اپیل کرتی ہے' مگر مجھے کچھ خاص پسند نہیں۔"

"ڈارون کا انسان پہلے کیا تھا اور انسان کے ارتقا کے بارے میں نظریات دراصل مذہب سے دوری کا نتیجہ ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمیں اس پر سوچنے کی ضرورت ہے کہ انسان نے اپنی موجودہ شکل کیسے حاصل کی۔"

"سکندرِ اعظم جس نے دنیا کے بے شمار ملک فتح کیے' جب اس دنیا سے رخصت ہوا تو اس کی کھلی مٹھی یہ بتا رہی تھی کہ وہ دنیا سے خالی ہاتھ جا رہا ہے۔"

"قبلائی خان' چنگیز خان کا پوتا تھا اس کی سلطنت میں جاپان' چین' برما' مشرقی افریقہ اور جنوبی ہندوچین

شامل تھے۔"

"کیا بات تھی ایسی "کنفیوشس" میں جو چین میں آج بھی لاکھوں لوگ اس کے بنائے ہوئے اصولوں کو مذہب کے طور پر مانتے ہیں۔"

"مونالیزا بنانے میں لیونارڈو ڈاونچی کو چار سال لگے تھے' سوچو ذرا وہ اپنے فن سے کتنا سچا عشق کرتا تھا جو چار سال لگا کر وہ شہرہ آفاق تصویر بنائی۔"

"اس زمانے میں جب مشرقی ممالک' مغربی ممالک کے بارے میں اور مغربی ممالک مشرقی ممالک کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔اس قدیم دور میں مارکو پولو کے سفرنامہ نے یورپ والوں کو ایشیائی ممالک سے متعلق درست معلومات فراہم کی تھیں۔"

"ہم نیوٹن کا بہت مذاق اڑاتے ہیں کہ اچھا بھلا بیٹھے بیٹھے اس نے سیب کو درختوں پر سے زمین پر گرتے دیکھ کر یہ کیوں سوچا کہ سیب نیچے ہی کیوں گرا؟ خاموشی سے گرا ہوا سیب اٹھاتا اور کھانا شروع ہو جاتا۔ یہی تو ہم جیسے سطحی سوچ رکھنے والوں اور نیوٹن میں فرق ہے۔ ہم نے تو محاورے تک اسی قسم کے بنا لیے ہیں کہ آم کھاؤ پیڑ مت گنو وغیرہ۔ جینئس لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وہ بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔"

کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ گزشتہ کئی دنوں سے مسلسل اسی قسم کی طویل گفتگو سنتے سنتے میرا کیا حال ہوا ہو گا۔ جب تک اس کے پاس بیٹھا رہتا مسلسل خود کو صبر کی تلقین کرتا رہتا۔

میری کایا پلٹ پر وہ ایک دو روز تو حیران ہوئی پھر اپنی حیرانی پس پشت ڈال کر' اپنے کب کب کے جمع کیے ہوئے علم کے گوہر آبدار میرے اوپر لٹانے شروع کر دیے تھے۔ غالباً" اسے صرف اور صرف ایک سامع کی ضرورت تھی۔ کوئی بھی ہو بس جو سن سکتا ہو' پتا نہیں میرے دماغ میں بھیجہ نام کی کوئی چیز بچی تھی یا نہیں۔ بہرحال یہ تھا کہ آج کل مامی مجھے روزانہ بڑی پابندی سے نہار منہ چاروں پانچوں مغز کھلایا کرتی تھیں۔ رات کو سونے سے پہلے بھی دودھ میں شہد اور بادام ڈال کر میرے لیے لاتی تھیں۔

وہ تھوڑی شرمندہ نظر آ رہی تھی۔

انہیں پتا تھا ان کی محبت میں' میں کس کڑے امتحان سے گزر رہا ہوں۔

♥ ♡ ♡ ♥
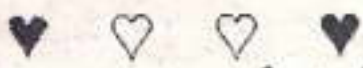
"بیہ! میں برٹش کونسل جا رہا ہوں' تم چلو گی؟"

میں تو پہلے بھی اکثر کسی نہ کسی ریفرینس بک کی تلاش میں برٹش کونسل جایا کرتا تھا۔ بیہ پر اس حوالے سے مامی کی طرف سے کافی سختی تھی۔ یونیورسٹی کے علاوہ اسے کہیں اکیلے گاڑی لے کر آنے جانے کی قطعاً" اجازت نہیں تھی۔ زیادہ تر وہ وہاں ماموں جان کے ساتھ جایا کرتی تھی۔ آج کل میں اسے اکثر اپنے ساتھ لائبریری لے جایا کرتا تھا۔ میری آفر پر اس کے چہرے پر اس طرح خوشی اور مسرت چھا جاتی تھی جیسے میں اسے سوئٹزرلینڈ کی سیر کرانے لے جا رہا ہوں۔

وہ کتابوں کے درمیان گھڑی خوش خوش وقت گزارا کرتی تھی۔

واپسی میں کبھی کبھار ہم کہیں آئس کریم یا برگر وغیرہ کھانے کے لیے بھی رک جایا کرتے تھے۔ اگر میک ڈونلڈز میں برگر کھا رہے ہوتے تو سارا وقت وہ مجھے فاسٹ فوڈز کی تاریخ بتاتی رہتی۔

اس روز "PONDEROSA" میں بیٹھ کر مزے دار کھانوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے وہ مسلسل ساؤتھ انڈین کھانوں کی ہسٹری سناتے ہوئے میرا موڈ خراب کر رہی تھی۔ کتنی بار میں نے موضوع بدلنے کی کوشش کی مگر وائے افسوس۔

"تم نے نوٹ کیا بیہ! دوبارہ سے اونچی قمیصوں کا فیشن آ گیا ہے۔"

ہمارے پاس سے ایک خوب صورت سی لڑکی خوب بجی سنوری' اونچی سی قمیص اور ٹراؤزر پہنے گزری تو میں نے موضوع تبدیل کرنے کی ایک آخری کوشش کی۔

"یہ بے چاری کم علم لڑکیاں' ان کی زندگی تو صرف

کپڑوں اور میک اپ تک ہی محدود ہوتی ہے۔ مجھے تو ترس آتا ہے اس قسم کی لڑکیوں پر۔ تمہیں پتا ہے یہ جو کاسمیٹکس کی اشیاء یہ خواتین استعمال کرتی ہیں خاص طور پر پرفیومز اور ہیئر اسپریز ان میں Carbons Chloro-flouro کتنی بڑی مقدار میں شامل ہوتے ہیں اور یہ کتنا خطرناک کیمیکل ہے' اوزون کی لیئر کو تباہ کرنے میں اس کا کتنا بڑا ہاتھ ہے مگر ان جاہلوں کو کون سمجھائے۔"

میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اس آئن اسٹائن کی پھپھو کو اٹھا کر باہر پھینک دوں جبکہ وہ ہنوز اوزون کی لیئر کی تباہی پر اظہارِ افسوس کرنے میں مصروف تھی۔

مامی میری کوششوں پر میرا بہت شکریہ ادا کرتی تھیں۔ اور میں مارے مروت کے انہیں بتا نہیں پاتا تھا کہ آپ کی محبت میں' میں آج کل کس اذیت سے گزر رہا ہوں۔

سارا دن اس افلاطون کے ساتھ گزار کر اب میں سکون سے بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ چھٹی کا دن تو مزید آزمائش کا حامل ہوا کرتا تھا۔ مامی سے ایک کپ چائے بنوا کر اور دو گولی ڈسپرین کھا کر میں خود کو ان خطرناک باتوں کے اثرات سے نکالنا چاہ رہا تھا۔ اگر یونہی سو گیا تو ساری رات ڈراؤنے خواب آئیں گے۔ آسکر ایوارڈز کی تقریب تو یوں بھی میں کبھی مس نہیں کیا کرتا تھا۔ اتنی حسین حسین پریاں' اپنے حسن کی بجلیاں گراتی ہوئی' کوئی بدذوق ہی ہو گا جو ان پریوں کو دیکھ کر مسحور نہ ہو جاتا ہو۔ اسی وقت بیہ دروازے پر دستک دیتی اندر داخل ہوئی تھی۔ میں نے "نکول کڈمین" سے بمشکل نظریں ہٹا کر بیہ کی طرف دیکھا تھا۔ خدا نے کیا فرصت سے بنایا ہے اس حسینہ کو۔ نکول کڈمین کے بعد بیہ کو دیکھنا ایسا ہی تھا جیسے سوئیٹ ڈش کھاتے کھاتے کسی نے میرے آگے کریلوں کی بھری ہوئی پلیٹ رکھ دی ہو۔ اپنی اس احمقانہ تشبیہہ پر مجھے بے ساختہ ہنسی آئی تھی مگر' میں نے اسے بیہ سے چھپا بھی لیا تھا۔

"اچھا یہ آسکرز۔" وہ ٹی وی اسکرین پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے سنجیدگی سے بولی تھی۔ "کل ہی میں پڑھ رہی تھی کہ آسکر کا مجسمہ......"

اس سے پہلے کہ وہ اپنی شعلہ بیانی شروع کرتی' میں نے اس کی بات کاٹ کر کچھ بیزاری سے پوچھا تھا۔

"تمہیں کوئی کام تھا بیہ؟"

"ظاہر ہے اس وقت آنے کا مقصد کوئی کام ہی ہو گا۔" ٹوکے جانے پر اس کا تھوڑا سا منہ بن گیا تھا۔

"میرے مونیٹر کے ساتھ پتا نہیں کیا مسئلہ ہو گیا ہے۔ تصویر کلرڈ نہیں آ رہی' اور کمپیوٹر بھی خود بخود Safemode میں چلنے لگا ہے۔"

وہ ہنوز ناراضی بھرے انداز میں اپنے آنے کی وجہ بتانے لگی تھی۔ میں ٹی وی بند کر کے اس کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گیا تھا۔ جتنی دیر میں اس کے کمپیوٹر کے ساتھ مصروف رہا' وہ مجھے فادر آف کمپیوٹر Charles Babbage کے بارے میں پتا نہیں کیا کیا داستانیں سناتی رہی۔

"بیہ! تم تھوڑی دیر چپ نہیں رہ سکتیں۔" تنگ آ کر میں نے اسے ڈانٹ دیا تھا۔ اس وقت کیونکہ میں اسی کا کام کر رہا تھا' اس لیے وہ فوراً ہی چپ ہو گئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥
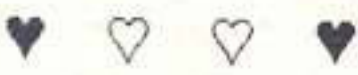
کافی دنوں بعد میری ارسلان اور احمد کے ساتھ چیٹنگ ہو رہی تھی۔ دونوں بڑی پابندی سے مجھے ای۔میل بھیجا کرتے تھے۔ اکثر تو میں پڑھائی اور دوستوں میں مصروف کئی کئی دن تک ان کی میل پڑھ بھی نہیں پاتا تھا۔ سلمیٰ آنٹی کے برخلاف میری اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں سے بہت اچھی دوستی اور انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ میرے چھٹیوں میں دوہا جانے کا سبب بھی میرے پیارے بھائی ہی ہوا کرتے تھے۔ جو مجھے اصرار کر کر کے بلایا کرتے تھے۔

اس وقت بھی ہم لوگ بڑے مزے میں چیٹنگ کر رہے تھے۔ تب ہی ایک تیز نسوانی چیخ میری سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"یا اللہ رحم۔" چیخنے کا انداز ایسا تھا جیسے کسی کا گلا تیز دھار چاقو سے کاٹا جا رہا ہو۔ "بچاؤ" دوبارہ چیخ سنائی دی تھی۔

"یہ تو بیہ کی آواز ہے۔" میں بوکھلائے ہوئے انداز میں تیزی سے اٹھا تھا۔ ماموں جان اور مامی کسی ڈنر میں گئے ہوئے تھے۔ کہیں کوئی چور ڈاکو تو نہیں گھس آئے گھر میں۔ میں دوڑتا ہوا بیہ کے کمرے کی طرف بھاگا تھا، چیخوں کی آوازیں بتدریج بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ رگوں میں دوڑتا غیرت مند خون اچانک جوش مارنے لگا تھا اور جوش میں ہی تو انسان ہوش کھو دیتا ہے۔ میں نے یہ سوچنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی کہ کہیں وہ کسی اسلحے سے لیس نہ ہوں۔

بے سوچے بغیر میں دھاڑ سے دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں گھسا تھا۔

اندر کا منظر میری توقع کے بالکل برعکس تھا۔ اسے کمرے میں اکیلا دیکھ کر میں سٹپٹا گیا تھا۔ وہ بیڈ پر چڑھی آنکھیں بند کیے زور زور سے چیخ رہی تھی۔

"کیا ہوا بیہ؟" میں حیرت سے خالی کمرے کو دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ میری آواز سنتے ہی اس نے ایک دم آنکھیں کھول دی تھیں اور چیخنا بھی بند کر دیا تھا۔

"شکر عباس تم آ گئے۔ یہ دیکھو ادھر، اف میرے اللہ۔"

وہ بیڈ پر بدستور چڑھ کر کھڑی ہوئی مجھ سے مخاطب ہوئی تھی۔ اس کے کارپٹ کی طرف اشارہ کرنے پر میں نے کارپیٹ پر نظریں دوڑائیں تو وہاں موجود چیز کو دیکھ کر میرا دل چاہا، اس بے وقوف لڑکی کا گلا دبا دوں۔ کتنی بری طرح اس نے مجھے ڈرایا تھا۔ پتا نہیں میں کیا کیا سوچ بیٹھا تھا۔ میں کارپیٹ پر ادھر سے ادھر سرگشت کرتی چھپکلی کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اب اسے غصے سے گھور رہا تھا۔

"لاحول ولا قوۃ، کچھ عقل ہے تم میں کہ نہیں۔ یہ اتنی سی چھپکلی، اسے دیکھ کر، تم اتنی خطرناک چیخیں مار رہی تھیں۔ ذرا اپنا سائز دیکھو اور ذرا اس چھوٹے سے رینگنے والے جانور کو دیکھو۔ ٹی وی پر تو کل خوب ڈائنوسارز کے بارے میں معلوماتی فلم دیکھی جا رہی تھی اور حال خود کا یہ ہے کہ چھپکلی کو دیکھ کر سارا گھر سر پر اٹھا لیا۔" میں نے بغیر کسی لحاظ کے اسے اچھی طرح جھاڑ پلائی تھی۔

"کیا کرتی پھر میں، کمرے سے نکل کر باہر بھی نہیں جا سکتی تھی۔ کارپٹ کے علاوہ کہیں اور ہوتی تو میں بھاگ کر کمرے سے ہی نکل جاتی۔" وہ آنکھوں میں آنسو بھرے کچھ شرمندگی کے عالم میں بولی تھی۔

"پلیز۔ عباس اسے مار دو نا۔" وہ میرے گھورنے پر ڈرتے ڈرتے بولی تھی۔ غصہ تو مجھے اس پر بہت شدید آ رہا تھا، میں نے خار بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اپنی نظریں چھپکلی پر مرکوز کی تھیں۔ اگلے دو منٹوں بعد وہ بے چاری اس دارِ فانی سے کوچ کر چکی تھی۔ میں بغیر کچھ کہے سنے کمرے سے باہر نکلنے لگا تو وہ چلا کر بولی۔

"اسے پھینک تو دو عباس۔"

"خود پھینکو، میں کوئی تمہارا نوکر لگا ہوں۔" میں نے جواباً غصہ سے کہا تھا۔

"پلیز میرے اچھے بھائی نہیں ہو۔ دیکھو ایک تو مجھے اس سے ڈر بہت لگتا ہے اور دوسرے گھن بھی بہت آتی ہے، دیکھتے ہی متلی ہونے لگتی ہے۔"

"اور میں نے تو ساری زندگی چھپکلیوں اور سانپوں کے ساتھ گزاری ہے۔" میں نے جل کر سوچا تھا۔ دل ہی دل میں اسے گالیاں دیتے میں نے "اسے" اس کی آخری آرام گاہ تک پہنچایا تھا۔ میں اپنے کمرے میں آنے کے بعد واش روم میں ہاتھ دھونے گھس گیا تھا۔ ہاتھ دھو کر باہر نکلا تو وہ کمرے میں موجود تھی۔

"تھینک یو عباس! میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اتنے بہادر ہو۔ واقعی تمہیں چھپکلیوں سے بالکل ڈر نہیں لگتا؟"

وہ معصومیت سے آنکھیں پٹپٹا کر یوں بول رہی تھی، جیسے میں نے شیر کا شکار کر لیا تھا۔ اصولاً "چھپکلی مارنے پر بہادری کا میڈل ملنے پر میری مردانہ غیرت کو جوش میں آ جانا چاہیے تھا، مگر مجھے پتا نہیں کیوں

بسی اٹھی تھی۔ فلسفیانہ اور عالمانہ تاثرات کی جگہ اس وقت اس چہرے پر معصومیت ہی معصومیت پھیلی ہوئی تھی۔

"اچھا ان آنکھوں میں کبھی سادہ سی معصومیت بھی چھاتی ہے۔" میں نے بغور اسے دیکھتے ہوئے سوچا تھا اور پتا نہیں کیوں وہ معصومانہ سا تاثر مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

کافی دیر تک میری بہادری کی شان میں قصیدہ گوئی کر کے وہ جا چکی تھی اور میں اب تک بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ جس وقت یہ سقراط بقراط نہیں بنی ہوتی تو خاصی معقول نظر آتی ہے۔

♥ ♡ ♡ ♥
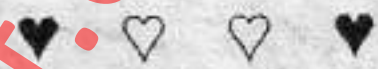
ایکسپو سینٹر' میں پاکستان کے علاقائی ملبوسات' دستکاری اور کشیدہ کاری وغیرہ سے متعلق نمائش لگی ہوئی تھی۔ عام طور پر ہمارا گروپ ایکسپو سینٹر میں ہونے والی نمائشوں کو مس نہیں کیا کرتا تھا۔ آج نمائش میں جانا یوں ہو گیا کہ سلمان کو اپنی بہنوں اور بھابھی کے لیے جو کوئٹہ میں رہتی تھیں ــــ کچھ تحائف خریدنے تھے۔ اسی کے اصرار پر ہم پانچوں ایکسپو سینٹر پہنچے تھے۔

یونیورسٹی سے وہاں تک پہنچنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔ سلمان کے علاوہ باقی سب ہی وہاں صرف تفریحاً" آئے تھے مگر ملتانی کڑھائی والے سوٹس کے اسٹال پر رک کر فیصل کو اپنی منگیتر صاحبہ کا خیال آگیا تھا اور وہ اس کے لیے سوٹ پسند کرنے لگا تھا۔ اس کے ساتھ کھڑے یوں ہی نظریں دوڑاتے دوڑاتے ایک سوٹ پر جا کر میری نظریں ٹھہر گئی تھیں۔ آف وہائٹ کلر کا وہ خوب صورت سا سوٹ جس پر سرخ رنگ کے دھاگوں سے کڑھائی کی ہوئی تھی مجھے ایک ہی نظر میں اپنی طرف متوجہ کر گیا تھا۔ اسے خریدتا دیکھ کر میرے دوست بہت حیران تھے' اتنی زنانہ شاپنگ تو میں نے زندگی میں کبھی نہیں کی تھی۔ کبھی اگر اپنی کسی کزن یا کلاس فیلو کو کوئی گفٹ دیتا بھی تھا تو کوئی قلم یا کتاب یا پھر کوئی ڈیکوریشن پیس۔ ان چیزوں سے ہٹ کر تو میں نے آج تک کبھی کسی کو کچھ نہیں دیا تھا۔

"یار! یہ میں مامی کے لیے خرید رہا ہوں۔"

بولتے وقت مجھے احساس تھا کہ میں دوستوں سے جھوٹ بول رہا ہوں۔

"بے چارہ عباس جہاں زیب' کب اس معصوم کی زندگی میں سوئیٹ مامی کے علاوہ کوئی اور خاتون تشریف لائیں گی جن کے لیے یہ کچھ خریداری کر سکے۔"

فیصل نے میرا مذاق اڑایا تھا۔ میں اپنے روٹین کے انداز میں کوئی جوابی کارروائی نہیں کر سکا تھا۔ دراصل میں خود اپنی اس خریداری پر اب تک اچنبھے میں مبتلا تھا۔ مامی کا نام لے کر جھوٹ بولنے پر تھوڑی سی شرمندگی بھی ہو رہی تھی۔ اس لیے مامی کے لیے اسی اسٹال سے ایک کڑھا ہوا دوپٹہ خرید لیا تھا۔ واپسی میں گھر جاتے ہوئے میں خود اپنے آپ سے لڑ رہا تھا۔

"صد حیف تم پر عباس جہاں زیب! اپنے اردگرد بے شمار حسین' ذہین اور نہایت معقول قسم کی لڑکیوں کے موجود ہوتے ہوئے اس افلاطون کے لیے تحفے خریدتے پھر رہے ہو۔"

خود پر یہ بات منکشف ہوتے ہی کہ یہ سوٹ کس کے لیے خریدا گیا ہے میں اپنے آپ سے بدظن ہو گیا تھا۔ اپنے اندر پیدا ہوتی یہ تبدیلی تو میں کافی دنوں سے نوٹ کر رہا تھا' مگر دانستہ خود کو جھٹلانے کی کوشش کیا کرتا تھا۔

"لعنت ہے تمہاری چوائس پر عباس جہاں زیب!"

میں خود کو کوس رہا تھا۔ کیا دنیا میں معقول لڑکیوں کا قحط پڑ گیا تھا۔ وہ جس کے ساتھ چند منٹ گزارنا مجھے دوبھر ہوا کرتا تھا آج کل میں بڑے سکون سے بیٹھ کر اس کی افلاطونی گفتگو سنا کرتا تھا۔ حالانکہ اس روز کے بعد وہ معصومانہ سا تاثر دوبارہ کبھی نظر نہیں آیا تھا مگر مجھ جیسے احمق انسان کے لیے تو وہ ایک تاثر ہی کافی ثابت ہوا تھا۔ محبت کی اس تعریف میں کہ محبت اندھی ہوتی ہے اب آپ اس بات کا اضافہ کر لیں

اندھی ہونے کے ساتھ ساتھ محبت احمق، الو، گھامڑ، پاگل اور بے وقوف بھی ہوتی ہے اور یہ کہ اگر پاگلوں کے سر پر سینگ ہوا کرتے تو عباس جہاں زیب بھی سر پر سینگ لیے گھوم رہا ہوتا۔

شام میں، میں نے اسے اور مامی کو ان دونوں کے لیے خریدے گئے تحفے پکڑائے تھے۔ مامی دوپٹہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

"بہت پیارا ہے۔ عباس تمہاری چوائس بہت اچھی ہے۔" (آج سے پہلے مجھے بھی یہی خوش فہمی تھی مامی۔) وہ محترمہ سوٹ دیکھ کر شان بے نیازی سے شکریہ کہتیں دوبارہ ٹائمز کے تازہ شمارے کی طرف متوجہ ہو گئی تھی اور شکریہ کا بھی کیا دل جلانے والا انداز تھا۔

"بہت شکریہ، ویسے اس تکلف کی کوئی ضرورت تو نہیں تھی۔"

شاید درپردہ مجھے یہ سمجھانا مقصود تھا کہ ان کپڑوں، جوتوں اور زیورات سے متاثر ہونے والی لڑکیوں میں، میں شامل نہیں ہوں۔ مجھے اگر کوئی تحفہ دینے کا شوق تمہارے دل میں جاگا ہی تھا تو کوئی کتاب دیتے تحفے میں۔ کوئی انسائیکلوپیڈیا، کوئی فلسفیانہ اور عالمانہ سی بک۔ دوپہر سے جو خود پر جھلاہٹ اور غصہ مسلسل سوار تھا، وہ مزید بڑھ گیا تھا۔ دل چاہ رہا تھا دیوار سے جا کر اپنا سر ٹکرا دوں۔ اپنے اس فضول سے دل کو نکال کر ہی پھینک دوں، جو بلاوجہ مجھے عاجز کر رہا تھا۔

مامی کے بہت روکنے کے باوجود "میں نے تمہارے لیے اسٹرابیری کیک بیک کر کے رکھا ہوا ہے، وہ کھاتے جاؤ۔"

میں معذرت کرتا گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل آیا تھا۔ کچھ وقت جم خانہ اور پھر باقی کا وقت دوستوں میں گزار کر پھر میں رات گئے ہی گھر واپس آیا تھا اور جب میں رات کو سونے لیٹا تو سونے سے پہلے جو آخری خیال میرے ذہن میں آیا وہ یہ تھا کہ وہ یہ سوٹ پہن کر لگے گی کیسی۔

"تف ہے تم پر عباس۔" میں نے غصے میں تکیہ اٹھا کر دور پھینکا تھا۔ پتا نہیں یہ کیا خناس بھر گیا تھا میرے دماغ میں۔ "یا اللہ مجھے اس افلاطون کے شر سے پناہ میں رکھ۔" میں نے جلدی سے اللہ کو یاد کیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥
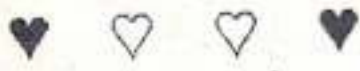
"پیراڈائز لاسٹ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے عباس؟ تم ملٹن کی اس معرکتہ آلارا تخلیق کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہو؟" وہ لان میں میرے ساتھ بیٹھی پچھلے ایک گھنٹے سے ملٹن پر بولنے میں مصروف تھی۔

"بیہ! تم بالوں کی کٹنگ کیوں نہیں کروا لیتیں۔ ذرا سے چینج سے تم بہت اچھی لگنے لگو گی۔"

میرے اس جملے پر اس نے ناپسندیدہ نظروں سے مجھے دیکھا تھا۔ ہر وقت بالوں کا گھونسلہ بنائے پھرتی ہے، الجھے بکھرے بال، کلپ سے نکلی بے تکے انداز میں ارد گرد بکھری لٹیں۔ اگر انہیں ذرا سا سنوار دیا جائے تو کتنی بہتر لگ سکتی تھی یہ ملٹن کی مداح۔ میں بغور اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

"چھوڑو اسے، تمہیں پتا ہے مجھے اچھا وچھا لگنے کا کوئی شوق نہیں۔ ہاں میں تم سے کیا کہہ رہی تھی؟" وہ میری بات نظر انداز کر کے دوبارہ شروع ہو چکی تھی۔

"تمہارے فیورٹ مرزا غالب کی کلاسیکل غزلوں پر شیما کرمانی پرفارم کر رہی ہیں، چلو گی دیکھنے؟" میں نے کچھ دیر بعد اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا تو بڑی خوشی خوشی وہ جانے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔

"تم تیار ہو جاؤ۔ میں اتنی دیر میں اپنی میلز چیک کر لیتا ہوں۔" میں کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا تھا۔

"تیار ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ دوپہر میں ہی تو نہا کر یہ کپڑے پہنے تھے۔ اچھے خاصے ہیں۔"

وہ اپنے کاٹن کے انتہائی فضول سوٹ کو اچھے خاصے کہہ کر میرا موڈ آف کر گئی تھی۔ پھر بھی میں اتنی جلدی ہمت ہارنے والوں میں سے نہ تھا۔

"تم وہی سوٹ پہن لو نا بیہ جو میں نے دیا تھا۔" اپنے ہی لہجے میں موجود ڈھیر ساری اپنائیت اور کسی

بڑی ہی شدید خواہش کی موجودگی نے مجھے اندر ہی اندر جھنجلاہٹ میں مبتلا کیا تھا۔

"کیا تم کپڑوں وپڑوں کے غم میں پڑ گئے ہو۔ ہٹاؤ اس ٹاپک کو۔ جلدی سے چلو مجھے تو بڑی ایکسائٹمنٹ ہو رہی ہے۔ شیما کرمانی پرفارم کرے گی۔ اف مزہ آجائے گا۔"

(عشق انسان کو یونہی ذلیل کرواتا ہے۔ تب ہی تو دنیا کے تمام عاشق پیٹ بھر بھر کر ذلیل وخوار ہوئے ہیں۔)

میں غصے میں اسے گھور گھور کر دیکھ رہا تھا' مگر وہ میرے گھورنے سے بے نیاز جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

"مجھے یاد نہیں رہا تھا' آج تو فیصل کے گھر پر سارے دوستوں کو جمع ہونا تھا۔ مامی کو بتا دینا' میں رات میں دیر سے آؤں گا۔ کمبائن اسٹڈی کا پروگرام ہے ہمارا۔" میں دل ہی دل میں کھولتا گاڑی کی چابی اٹھا کر پورچ کی طرف چلا گیا تھا۔ سمجھتی کیا ہے یہ اسٹوپڈ خود کو۔ گھنٹوں میرا دماغ کھولتا رہا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥
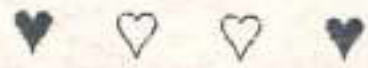
"بیہ! پلیز ایک کپ چائے پلا دو۔" میں کمپیوٹر پر اپنے پروجیکٹ کا کچھ کام کر رہا تھا' وہ بھی وہیں موجود تھی۔ شاید کوئی نوٹس وغیرہ بنائے جا رہے تھے۔

"تم خود بنا لو۔ دیکھ نہیں رہے میں کتنی بزی ہوں۔"

وہاں سے صاف انکار آیا تھا۔ سر اٹھائے بغیر مجھے جواب دے کر وہ اسی شدومد سے لکھنے میں مصروف ہو گئی تھی۔ میری مردانہ انا پر بڑی کاری ضرب پڑی تھی اس انکار سے۔ اس کے بجائے میں نے یہ فرمائش اپنی کسی اور کزن یا دوست سے کی ہوتی تو وہ آدھی رات کو بھی سر کے بل جا کر میرے لیے چائے بنا کر لے آتی۔ بلکہ اگر پہلے چائے کے باغات میں سے جا کر پتی لانی پڑتی وہ بھی لے آتی۔ اپنی شخصیت پر میں یونہی تو فخر نہیں کیا کرتا۔ لڑکیاں جس طرح مجھے دیکھ دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتی ہیں۔ سرگوشیوں میں میری اسمارٹنس' اور ذہانت کی تعریفیں کرتی ہیں۔ وہ سب مجھے ساتویں آسمان پر پہنچانے کے لیے کافی ہوتی ہیں۔

میرا موڈ بری طرح خراب ہو گیا تھا' یا یہ لڑکی بدل جائے یا پھر میرے دل میں پیدا ہو جانے والے یہ اوٹ پٹانگ خیالات تبدیل ہو جائیں ورنہ میں لازمی پاگل ہو جاؤں گا۔ میں دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥
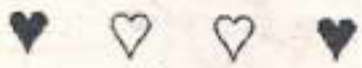
مامی کی مروت میں شروع کیا جانے والا کام آہستہ آہستہ میری زندگی کا روگ بنتا جا رہا تھا۔ مامی احساسِ ممنونیت سے مغلوب ہو کر کبھی میرا شکریہ ادا کرنے کی کوشش کرتیں تو میرا دل رونے کو چاہنے لگتا۔

"مامی! آپ کی لاڈلی نے واقعی مجھے بھی پاگل بنا دیا ہے' کیونکہ کوئی ہوش مند آدمی تو اس طرح کی باتیں سوچ نہیں سکتا۔"

ان ہی الجھے الجھے سے دنوں میں زرمین جو مامی کی بھانجی تھی اس کی اسلام آباد سے آمد ہوئی تھی۔ گریجویشن کرنے کے بعد فی الحال وہ فارغ تھی اور چھٹیاں گزارنے خالہ کے گھر آگئی تھی۔ کیا لڑکی تھی وہ بے تحاشا حسین اور اس پر ستم یہ کہ اسے اپنی اس خوب صورتی کا پورا پورا احساس بھی تھا۔ حسن خود آگاہ بھی ہو تو مزید قیامت ڈھاتا ہے۔ اس پر گفتگو کا سلیقہ بھی تھا محترمہ کے پاس۔ اس سے بات کرتے ہوئے نہ سر میں درد ہوتا تھا نہ کہیں بھاگ جانے کو جی چاہتا تھا۔ سارا دن وہ مامی کے ساتھ گھر پر ہوتی تھی اور اکثر کھانا وغیرہ وہی بنا لیا کرتی تھی۔

"عباس ڈنر گھر پر ہی کرنا۔ سی فوڈز ملیں گے آج تمہیں کھانے میں۔"

میں سلمان کے گھر جانے کے لیے نکل رہا تھا جب پیچھے سے زرمین نے آواز دی تھی۔ میں گردن ہلاتا باہر نکل گیا تھا۔ وہ بڑی بے تکلف سی لڑکی تھی۔ آتے ہی اس نے خود ہی میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ اکثر اس سے کافی دوستانہ ماحول میں گپ شپ ہو جایا کرتی تھی۔ بلکہ آج لنچ کرتے ہوئے تو مامی نے مجھ سے

اسے کہیں گھمانے پھرانے لے جانے کے لیے بھی کہا تھا۔

"سارا دن زرمین بے چاری گھر میں بور ہوتی رہتی ہے۔ موقع ملے تو اسے کہیں گھما لاؤ۔ پھر باقاعدہ پکنک کا پروگرام میں تمہارے ماموں جان سے پوچھ کر رکھتی ہوں۔"

میں نے ان کی بات پر خاموشی سے گردن ہلا دی تھی۔

رات کا کھانا واقعی بہت مزے دار تھا۔ ماموں جان بھی زرمین کے سگھڑاپے سے بہت متاثر نظر آرہے تھے۔ بیہ صاحبہ حسب دستور خاموشی سے کھانا کھاتی کسی فلسفیانہ مسئلے کا حل تلاش کرنے میں مصروف تھی۔ جب سے زرمین آئی تھی میرا بیہ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بہت کم ہو گیا تھا۔ کل بھی جب وہ مجھے کسی کتاب میں سے کوئی خطرناک سی بات سنانے آئی اور ابھی شروع کیا ہی تھا کہ زرمین بھی وہیں آکر بیٹھ گئی۔

"کیا یہ تم بورنگ چیزیں پڑھتی رہتی ہو بیہ۔" وہ منہ بگاڑ کر اس سے بولی پھر مجھ سے مخاطب ہوئی۔

"عباس! تم مجھے کمپیوٹر آپریٹ کرنا سکھا دو نا۔ جس کسی کو دیکھو آج کل کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور آئی ٹی کی باتیں کرتا نظر آتا ہے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے انگلش لٹریچر پڑھ کر بھی میں جاہل کی جاہل رہ گئی۔"

"سنڈے کو آجانا، تمہیں تھوڑا بہت بتا دوں گا، ہاں اگر زیادہ اچھی طرح سیکھنا چاہتی ہو تو کوئی انسٹی ٹیوٹ جوائن کر لو۔ میرے پاس اتنا ٹائم نہیں ہوتا۔"

میں نے جواباً "بڑی صاف گوئی کا مظاہرہ کیا تو وہ فوراً" بولی "تھوڑا بہت بھی چلے گا۔"

پھر میں زرمین کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔ اور بیہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

اتوار کے دن دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر میں اور زرمین اسٹڈی میں آگئے تھے۔ میں اسے کمپیوٹر سے متعلق بنیادی باتیں سمجھا رہا تھا جب بیہ اندر داخل ہوئی تھی۔ ایک نظر ہم دونوں پر ڈال کر وہ کوئی کتاب کھول کر میز کرسی سنبھال چکی تھی۔ بظاہر زرمین کے ساتھ باتوں میں مصروف ہونے کے باوجود میں یہ بات محسوس کر گیا تھا کہ بیہ کی ساری توجہ ہم لوگوں کی طرف تھی۔ وہ کتاب کھول کر بیٹھی ہوئی ضرور تھی مگر پڑھا اس نے ایک لفظ بھی نہیں تھا۔

اس جیسی لاپروا اور خود میں مگن رہنے والی لڑکی کو کسی دوسرے کے معاملات میں دلچسپی لیتے بلکہ تجسس میں مبتلا ہوتے دیکھ کر مجھے خاصا تعجب تھا۔ شام میں، میں اور زرمین سی ویو جا رہے تھے۔ میں نے اخلاقاً بھی بیہ سے چلنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ وہاں سے صاف انکار سننے کو ملے گا فائدہ اپنی بے عزتی کروانے کا۔ اس قسم کی تفریحات کو تو وہ بے کار اور ناکارہ قسم کے لوگوں کے کرنے کا کام کہا کرتی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥
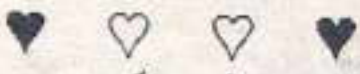
"مامی! مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔ پلیز کچھ کھانے کو دیں۔"

میں نے یونیورسٹی سے آتے ہی حسب عادت کچن کے باہر سے ہی چلانا شروع کر دیا تھا۔ کچن میں زرمین اور بیہ دونوں موجود تھیں۔

"بیٹھو عباس! میں لاتی ہوں تمہارے لیے کھانا۔" زرمین نے مسکراتے ہوئے فوراً" کہا تھا۔

"تم تو ماما کے ساتھ شاپنگ کرنے جا رہی تھیں نا۔"

کچھ طنزیہ سے انداز میں وہ زرمین سے مخاطب ہوئی تھی۔ میں نے چونک کر اسے بغور دیکھا تھا۔

"ہاں جا تو رہی ہوں لیکن کھانا نکالنے میں کتنی دیر لگے گی۔"

وہ اس کے طنزیہ انداز کا نوٹس لیے بغیر آرام سے بولی تھی۔

"تم جاؤ۔ میں دے دوں گی۔" وہ دوبارہ اسی جلے کٹے انداز میں بولی تھی۔

"تم؟" زرمین نے بڑے تعجب سے تصدیق چاہی تھی۔ آخر وہ بھی اس کی کزن تھی۔ شروع ہی سے واقف ہو گی محترمہ کی عادتوں سے۔ میں بہت گہری نگاہوں سے اس کے تاثرات جانچ رہا تھا۔

”نہیں بھئی زرمین! تم ہی کھانا نکال دو۔ بیہ کے ہاتھوں سے نکلے سالن اور چاولوں میں سے فلسفہ، تاریخ اور ادب وغیرہ ہی کا ذائقہ آئے گا اور اس وقت میرا کوئی بدذائقہ چیز کھانے کا موڈ نہیں ہو رہا۔“

میں نے بہت سکون سے کہتے ہوئے ایک بھرپور نظر اس کے دھواں دھواں ہوتے چہرے پر ڈالی تھی اور کچن سے باہر نکل آیا تھا۔ اب آیا نا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔ میرا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ عورت کی نفسیات کے اس رخ پر تو میں نے اس سے پہلے کبھی غور کیا ہی نہیں تھا۔ جو کام میری توجہ، میرا التفات نہ کرپایا تھا وہ میری بے گانگی، لاتعلقی اور کسی دوسرے میں دلچسپی بخوبی سرانجام دے دے گی۔ میں اپنے آئندہ کے لائحہ عمل پر غور کرتا، خود ہی خود مسکرائے جا رہا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥
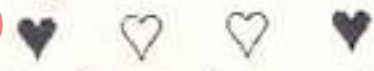
بنت حوا بھی عجیب تماشا ہے، کل تک جو مجھے کوئی بہت ہی بے کار، لاابالی اور غیر سنجیدہ سا لڑکا سمجھ کر بری طرح نظرانداز کیا جاتا تھا، اب اچانک ہی میں بہت خاص اور بڑی ہی اہم شخصیت بن گیا تھا۔ ویسے اس کے اس ردِعمل سے اتنا تو میرے دل کو اطمینان ہوا تھا کہ اندر سے وہ بہرحال ایک نارمل لڑکی ہے۔ خدا بھلا کرے زرمین کا جو بالکل درست موقع پر کراچی آئی تھی۔ حالانکہ میری اس سے صرف دوستانہ انداز میں بات چیت ہوا کرتی تھی۔ اسے خود بھی میری طرف سے کوئی خوش فہمیاں یا غلط فہمیاں لاحق نہیں تھیں۔ مگر بیہ نے اپنے دل میں جو گمان پالنا شروع کیے تھے، وہ اسے ہماری دوستی کو کسی اور رنگ میں سوچنے پر مجبور کیا کرتے تھے۔ کچھ خود میں بھی جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کر رہا تھا جو اس کے شکوک میں اضافہ کریں۔

پہلے میں شام کا بیشتر وقت گھر سے باہر دوستوں وغیرہ میں گزارا کرتا تھا، آج کل زیادہ وقت گھر پر رہنے لگا تھا۔ مامی نے تو زرمین کو صرف کہیں گھمانے پھرانے کے لیے لے جانے کو کہا تھا، مگر میں اسے دو مرتبہ شاپنگ کرانے ساتھ لے گیا تھا۔ اس سے پہلے صرف سنا ہی تھا کہ عورتوں کی خریداری سے خدا پناہ میں رکھے مگر زرمین کے ساتھ بازاروں کی خاک چھانتے اس بات کا یقین بھی آگیا تھا۔ کیا لڑکی تھی وہ، دل ہی نہیں بھرتا تھا اس کا شاپنگ سے۔ طارق روڈ، بہادر آباد، حیدری، صدر، کلفٹن کوئی جگہ جو اس نے چھوڑی ہو۔ گھنٹوں وہ بازاروں میں ماری ماری پھرتی تھی، اور جب گھر واپس آئی تو مامی سے شکوہ کرنے والے انداز میں بولی۔

”ابھی تو میں رابی سینٹر نہیں گئی، یہ عباس جلدی مچا رہا تھا۔“ میں نے جلدی کے لفظ پر آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا تھا۔

”اور آنٹی میٹرو پر کیا زبردست ورائٹی آئی ہوئی ہے۔ سچ میرا تو سب کچھ خرید لینے کو دل چاہ رہا تھا۔“

میں گھنٹوں اس کے ساتھ خوار ہونے کے بعد مزید یہ زنانہ گفتگو برداشت نہیں کر سکتا تھا اس لیے وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

”شمائل کے نئے پرنٹس دیکھے آپ نے، یہ دیکھیں یہ بلو سوٹ کتنا زبردست لگ رہا ہے۔“

وہ شاپنگ بیگز میں سے مختلف اشیاء نکال نکال کر انہیں دکھا رہی تھی اور میری نظریں سامنے صوفے پر خاموشی سے بیٹھی بیہ کا جائزہ لے رہی تھیں، وہ زرمین اور اس کی شاپنگ کو بڑی سنجیدگی سے دیکھ رہی تھی۔ زرمین کے ساتھ بازاروں میں پھرنا کوئی خوشگوار تجربہ نہیں تھا۔ میرے سر میں درد ہو گیا تھا اس کی کپڑوں جوتوں کی باتیں سن سن کر۔ مگر اب جو بیہ کے اس اداس سے چہرے پر نظر پڑی تو اچانک ساری تھکاوٹ اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔ حالانکہ شاپنگ کے لیے جاتے وقت زرمین نے بیہ سے بھی چلنے کے لیے کہا تھا مگر میں نے اس کے جواب دینے سے پہلے ہی فوراً کہا تھا۔

”بیہ کو کپڑوں وپڑوں اور شاپنگ وغیرہ میں کوئی دلچسپی نہیں۔ جتنی دیر ہم شاپنگ کرنے میں وقت برباد کریں گے اتنی دیر میں تو یہ ایک آدھ کتاب نمٹا لے گی۔“

میرا انداز سراسر مذاق اڑانے والا تھا، وہ اتنی

سیدھی اور اللہ میاں کی گائے نہیں تھی کہ اپنے بارے میں کوئی کمنٹس سن کر جواب نہ دے مگر اس وقت وہ میری بات پر کچھ کہے بغیر زرمین سے بولی تھی۔

"تم لوگ جاؤ زرمین۔"

زرمین تو اس کے بعد بھی کھڑی اس سے کچھ بات کرتی رہی تھی مگر میں بے نیازی سے کندھے اچکا کر پورچ کی طرف چلا گیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥
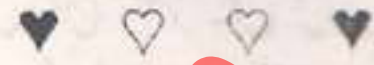
زرمین کا پندرہ روز کا یہ دورہ میرے لیے بہت کار آمد ثابت ہوا تھا۔ اس کے آجانے سے وہ سوئی ہوئی خود میں مگن اور لاپروا لڑکی جاگ گئی تھی۔ حالانکہ اتنے دنوں تک مستقل مزاجی سے سارا وقت گھر پر ٹکتے، زرمین کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے، ٹی وی دیکھتے، کارڈز کھیلتے میں بری طرح بور ہو گیا تھا مگر پھر بھی میں نے اس بوریت کو بڑے سکون سے برداشت کیا تھا۔ وہ جاتے وقت میری مہمان نوازی اور اس کے لیے اتنا زیادہ ٹائم نکالنے پر کافی شکریہ ادا کر کے گئی تھی۔

اس روز میں یونیورسٹی سے گھر آیا تو ایک بہت ہی مختلف نظارہ دیکھنے کو ملا۔

"جلدی سے آجاؤ عباس! تمہارے فیوریٹ چائنیز رائس اور چکن چلی بنائی ہے میں نے۔"

مامی نے میری شکل دیکھتے ہی کھانے کا مینو بتایا تھا۔ میں نے بڑی مشکلوں سے چہرے پر پھیلتے حیرت بھرے تاثرات کو چھپاتے ہوئے گردن ہلا دی تھی۔ پانچ منٹ بعد میں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ مامی بے تحاشا خوش نظر آ رہی تھیں۔ خوشی ان کے ہر ہر انداز سے ظاہر ہو رہی تھی۔ میں ان کی خوشیوں اور مسکراہٹوں پر خود بھی دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔

آج کل تو یونیورسٹی کے بعد سیدھا اچھے بچوں کی طرح گھر تشریف لائی جانے لگی تھی۔ کافی دنوں سے یہی ہو رہا تھا کہ لنچ پر وہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہوتی تھی۔ کھانے کے بعد میں کچھ دیر ستانے کے ارادے سے کمرے میں آگیا تھا۔ مامی بھی میرے پیچھے پیچھے ہی کمرے میں آگئی تھیں۔

"تم نے دیکھا عباس! اف میرے اللہ مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔"

وہ میرے پاس بیڈ پر بیٹھتے ہوئے خوشی سے بھرپور لہجے میں بولی تھیں۔

"سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ مجھے تو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا، جب صبح بیہ نے مجھ سے کہا کہ آج وہ یونیورسٹی نہیں جائے گی اور یہ کہ آج اسے میرے ساتھ بیوٹی پارلر جانا ہے۔"

میں ان کی باتوں پر خاموشی سے مسکرا رہا تھا۔ یقین تو اب تک مجھے بھی نہیں آ رہا تھا کہ وہ گھونسلہ جو اس کے سر پر رہا کرتا تھا، ختم بھی ہو سکتا ہے۔ میرے کہنے پر کہ "بالوں کی کٹنگ کروا لو۔" کس طرح منہ بگاڑ کر محترمہ نے کہا تھا۔

"مجھے اچھا وچھا لگنے کا کوئی شوق نہیں۔"

اور اب بڑی خاموشی سے جا کر اچھا لگنے کی ایک کوشش کر لی گئی تھی اور خیر کوشش کافی کامیاب بھی رہی تھی۔ کتنی بدلی بدلی اور پیاری لگ رہی تھی وہ، صرف ہیئر اسٹائل چینج کر لینے سے۔ پتا نہیں اس کٹنگ کا نام کیا تھا، مگر شانوں سے ذرا نیچے آتے اس کے وہ براؤن کلر کے سلکی بال بے حد خوب صورت لگ رہے تھے۔ مامی کے جانے کے بعد میں کتنی دیر تک لیٹا ہوا اس تبدیلی کو انجوائے کرتا رہا تھا۔

شام میں وہ لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ میں نے بظاہر ایک لاپروا سی نگاہ اس پر ڈالی تھی اور کورڈلیس اٹھا کر اس کے برابر والے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ بالوں کے ساتھ ساتھ لباس میں بھی کافی بہتری آئی تھی، ایک تو پورا سوٹ ایک ساتھ تھا، ورنہ میں نے اسے کبھی سوٹ کا ہم رنگ دوپٹہ اوڑھے نہیں دیکھا تھا۔ میں فیصل سے فون پر بات کر رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ کن اکھیوں سے اس کا جائزہ بھی لیتا جا رہا تھا۔

"مجھے تو لڑکیوں کے لمبے بال پسند ہیں۔ بالوں ہی میں تو عورت کا سارا حسن ہوتا ہے۔" وہ ڈاکٹر عزیز کے اسائنمنٹ پر بات کر رہا تھا، میری اس بے موقع اور

انتہائی فضول بات پر حیرت سے بولا تھا۔
"خیر تو ہے عباس! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔"
میں اس کی حیرت پر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔ زیادہ ہنسی تو مجھے بیہ کے چہرے پر موجود تاثرات کو دیکھ کر آ رہی تھی۔
"آج کل کی یہ پر کٹی لڑکیاں۔ کتنی کوفت ہوتی ہے ایسی لڑکیوں کو دیکھ کر۔ ابھی پچھلے دنوں اسلام آباد سے مامی کی ایک رشتہ دار آئی تھیں ہمارے گھر۔ کیا حسین لمبے بال تھے اس لڑکی کے۔ گھٹنوں کو چھوتے ہوئے۔" میں مسکراہٹ دبائے ہوئے سنجیدگی سے بولا تھا۔
"کس کو سنا رہے ہو یہ ساری باتیں۔ کون بیٹھا ہے تمہارے پاس۔"
وہ میرا ہی دوست تھا آخر' جینئس کیوں نہ ہوتا۔ میں بغیر کوئی جواب دیے ہنسنے لگا تھا۔ بیہ ایک دم ڈائری بند کرتی وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔ اسے جاتا دیکھ کر مسکراتے ہوئے میں نے دوبارہ اسائنمنٹ پر بات شروع کرنی چاہی تھی مگر فیصل میری کچھ دیر پہلے کی بکواس کی وجوہات دریافت کرنے پر مصر تھا۔
"بتائیں گے بیٹا تمہیں وقت آنے پر۔ ابھی صبر کرو۔"
میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے مزید کچھ بتانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔
آج کل میں اسے دل بھر کر نظر انداز کر رہا تھا۔ وہ لان میں یا لاؤنج میں میرے پاس آکر بیٹھتی بھی تو میں کچھ ہی دیر میں وہاں سے اٹھ جایا کرتا تھا۔ زیادہ وقت گھر سے باہر گزارنا شروع کر دیا تھا۔ مامی کو پڑھائی کی مصروفیت کہہ کر مطمئن کیا ہوا تھا۔
اس روز اتوار تھا۔ میں سارا دن دوستوں کے ساتھ گزار کر مغرب سے کچھ پہلے گھر واپس آیا تھا۔ ماموں جان' مامی اور بیہ تینوں لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ میں سب کو سلام کرتا وہیں بیٹھ گیا تھا۔
"عباس کے لیے بھی چائے لاؤ بیہ۔" مامی کے کہنے پر وہ فرمانبرداری سے فوراً" اٹھ گئی تھی۔
"مامی! آپ کو کیا میں بہت برا لگنے لگا ہوں۔" میں نے تھوڑی غم زدہ شکل بناتے ہوئے انہیں مخاطب کیا تھا۔ وہ تعجب سی میری طرف دیکھنے لگی تھیں۔ جیسے میری بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔
"بیہ جو چائے بنائے گی اسے چائے کے علاوہ سب کچھ کہا جا سکتا ہے اور ایسا عجیب و غریب محلول پی کر مجھ بے چارے پر کیا گزرے گی' اس کا اندازہ آپ بھی کر سکتی ہیں۔"
ماموں جان اور مامی میرے تبصرے پر مسکرانے لگے تھے۔ جبکہ وہ دوبارہ واپس بیٹھ گئی تھی مگر شکل پر بارہ بج رہے تھے۔ منہ اچھی طرح پھولا ہوا۔
"اتنی بری چائے بھی نہیں بناتی میری بیٹی۔ ہم لوگ اس وقت بیہ ہی کے ہاتھوں کی بنی چائے پی رہے ہیں اور اچھی خاصی چائے بنائی ہے اس نے۔"
ماموں جان نے لاڈلی بیٹی صاحبہ کا منہ بنتا دیکھ کر جلدی سے کہا تھا۔ مامی کو اٹھتا دیکھ کر میں نے بے ساختہ انہیں روکا تھا۔
"آپ بیٹھیں مامی! میرا چائے پینے کا بالکل موڈ نہیں ہو رہا۔"
میرے کہنے پر وہ دوبارہ بیٹھ گئی تھیں۔
"تمہیں اب کہیں اور تو نہیں جانا؟" کچھ دیر بعد ماموں جان نے مجھ سے پوچھا تھا۔ میرے نفی میں سر ہلانے پر وہ بولے۔
"بیہ کی فرینڈ کی انگیجمنٹ ہے۔ تم چھوڑ آنا اسے۔" اگر ماموں جان کے بجائے یہ فرمائش خاتون نے کی ہوتی تو میں جھٹ انکار کر دیتا' مگر اب سوائے اقرار میں گردن ہلانے کے کوئی چارہ نہیں تھا۔
نماز کے بعد میرا کچھ دیر پڑھنے کا پروگرام تھا' اپنے کمرے میں جانے سے پہلے میں نے اس سے کہہ دیا تھا۔
"جس وقت چلنا ہو' مجھے بتا دینا میں اپنے کمرے میں ہوں۔"
کوئی نو بجے کے قریب میرے کمرے کا دروازہ بجا تھا۔ دستک دے کر وہ اندر آ چکی تھی۔

"چلو عباس!" میں نے فائل پر سے نظریں اٹھا کر ایک پل کو اس کی سمت دیکھا تھا اور اپنی نظریں اس پر سے واپس ہٹانے میں مجھے خاصی مشکل ہوئی تھی۔ دل چاہ رہا تھا اسے دوبارہ دیکھوں مگر دل کو ڈانٹ ڈپٹ کر میں نے بڑی لاپروائی سے بغیر اس پر نگاہ ڈالے کہا تھا۔

"تم چلو پورچ میں میں آرہا ہوں۔"

وہ خاموشی سے واپس مڑ گئی تھی۔ گاڑی کی چابی اٹھاتا میں پورچ میں آیا تو وہ گاڑی کے پاس ہی کھڑی میرا انتظار کر رہی تھی۔ سر جھکائے پتا نہیں زمین پر کیا تلاش کیا جا رہا تھا۔ پہلی نظر میں تو کیونکہ اسے نظرانداز کر ہی چکا تھا۔ اس لیے اب دوبارہ دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں تھا، جبکہ وہ سر جھکائے ہوئے بھی تھی۔ اتنے اچھے طریقے سے ڈریس اپ ہوئے تو میں نے اسے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ سی گرین کلر کا پیارا سا سوٹ، کھلے ہوئے بال، جیولری اور شاید میک اپ بھی کر رکھا تھا۔ ویسے اس بے ڈھنگی لڑکی کو میک اپ کرنا آتا تو نہیں ہوگا، پتا نہیں میک اپ تھا یا نہیں، بہرحال لپ اسٹک تو لگی ہوئی تھی۔

"اتنی بری چوائس بھی نہیں ہے میری۔" میں نے اپنی کچھ عرصہ پہلے کی رائے پر نظرثانی کی تھی۔

"مجھ جیسے ہینڈسم بندے کے ساتھ یہ لڑکی سوٹ کرے گی۔"

خود سے کہتے ہوئے میں نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ وہ خاموشی سے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ یونہی گاڑی چلاتے چلاتے میرا دھیان اس کے گلاسز کی طرف گیا تھا۔

"اوہ تو کونٹیکٹ لینسز بھی لگ گئے۔" میں نے اپنی بے خبری پر افسوس کیا تھا۔ آج کل زیادہ وقت گھر سے باہر رہنے کی وجہ سے مامی سے بھی زیادہ بات چیت نہ ہو پاتی۔

خوبصورت لڑکیاں جب خاموش ہوتی ہیں تو اور خوب صورت لگتی ہیں اور خاص طور پر جب یہ خاموشی آپ ہی کی وجہ سے ہو۔ میں اس کی خاموشی کو بھی انجوائے کر رہا تھا۔ اس کی دوست کے گھر پر اسے ڈراپ کرتے ہوئے میں نے بڑے بے مروت انداز میں کہا تھا۔

"ٹھیک دو گھنٹے بعد میں تمہیں لینے آؤں گا۔ چاہے تم اس وقت فارغ ہوئی ہو گی یا نہیں۔ میں بالکل انتظار نہیں کروں گا۔"

وہ گفٹ ہاتھ میں لیے دروازہ بند کرتے کرتے ٹھٹھک کر رک گئی تھی۔

"تم مت آنا لینے۔ میں روحی سے کہہ دوں گی وہ مجھے ڈراپ کروا دے گی۔"

بہت ناراضی اور غصہ سے یہ جملہ بولا گیا تھا۔ باقی کا غصہ گاڑی کے دروازے پر اتار آگیا تھا۔ اتنی زور سے دروازہ بند کیا تھا کہ کتنی دیر تک میرے کانوں میں دھماکے ہوتے رہے۔ اس کے منع کرنے کے باوجود میرا ارادہ تھا اسے لینے کے لیے جانے کا، مگر جب گھر پہنچا تو مامی نے بتایا۔

"بیہ کا فون آیا تھا کہہ رہی تھی، واپسی میں عباس کو مت بھیجیے گا۔ ابھی تو فنکشن شروع بھی نہیں ہوا بہت دیر لگے گی۔"

میں نے بغیر کوئی تبصرہ کیے سر ہلا دیا تھا۔ مگر واپسی میں جب اسے ایک اسمارٹ سے لڑکے کے ساتھ گاڑی میں آتا دیکھا تو میرے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ اگرچہ وہ اس لڑکے کے ساتھ اکیلی نہیں تھی۔ لڑکے کی برابر والی سیٹ پر غالباً" بیہ کی سہیلی بیٹھی تھی۔ وہ گاڑی سے اتر کر ان لوگوں کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔ میں ٹیرس پر کھڑا جلتا بھنتا یہ سین دیکھ رہا تھا۔ زیادہ آگ تو مجھے اس وقت لگی جب وہ مسکرا کر ان محترم کو بطور خاص خدا حافظ کہہ رہی تھی۔ اگرچہ آواز مجھے نہیں آرہی تھی، مگر اندازہ تو ہو رہا تھا کہ کیا بات ہو رہی ہے۔ میرے ساتھ تو کبھی اخلاق نہیں نبھایا گیا اور وہ رسل کرو کا جانشین بہت اچھا لگ رہا تھا، جو مسکرا مسکرا کر شکریے ادا کیے جا رہے تھے۔

یہ سب سوچتے وقت یہ خیال نہیں آیا تھا کہ کل میں خود اس کا کتنا دل جلاتا ہوں اور وہ بھی جل

بوجھ کر۔ جبکہ وہ مجھے جلانے کے لیے نہیں مسکرائی تھی' اسے تو پتا بھی نہیں ہوگا کہ میں ٹیرس پر کھڑا ہوں۔

♥ ♡ ♡ ♥
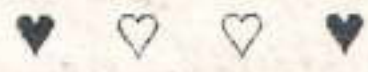
چھٹیاں ہوئیں تو میں نے اپنے دوستوں کے ساتھ سیروتفریح کا پروگرام بنایا۔ اسلام آباد' مری' بھوربن' نتھیا گلی وغیرہ وغیرہ سے ہوتا ہمارا آگے کافی سارے شمالی علاقوں میں گھومنے کا پروگرام تھا۔

"تم اسلام آباد بھی جاؤ گے؟" میں سامان پیک کر رہا تھا جب وہ کمرے میں آئی تھی۔ اسلام آباد کے ساتھ اسے کیا پریشانی ہے مجھے اچھی طرح معلوم تھا۔ اس لیے جھٹ سنجیدگی سے بولا۔

"اسلام آباد تو جانا ہی ہے۔ زرمین سے وعدہ کیا تھا میں نے کہ چھٹیوں میں اسلام آباد ضرور آؤں گا۔"

زرمین کا ذکر کرتے وقت لہجے میں خوب ساری مٹھاس بھی گھول لی تھی۔

"کیا لڑکی ہے بھئی وہ' میں تو اب تک حیران ہوں اس قدر خوش لباس اور خوش گفتار۔ اس کے پاس بیٹھو تو وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔" میں نے پہلی مرتبہ اس طرح برملا زرمین کی تعریف کی تھی وہ بھی اس سے۔ وہ اپنے تاثرات مجھ سے چھپانے کی کوشش کرتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

"صحیح کہہ رہے ہو۔ میری سب کزنز میں زرمین کو سب سے زیادہ ڈریسنگ کا سینس ہے۔"

حالانکہ دل ہی دل میں وہ زرمین کو گالیاں دے رہی ہوگی' مگر منہ سے اس کے لیے پھول جھڑ رہے تھے۔ میں اپنی مسکراہٹ اس سے چھپاتا بیگ میں کپڑے رکھنے لگا تھا۔ سچی بات تو یہ تھی کہ میرا زرمین کے گھر جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ اگر میری کزن ہوتی تو میں جاتا اچھا بھی لگتا۔ بلاوجہ مامی کے رشتہ داروں میں گھسنا' نہ تو مجھے ایسا کوئی شوق ہے اور نہ ضرورت۔ یہاں بھی اسے ضرورت سے زیادہ اہمیت ان محترمہ ہی کی وجہ سے دے دی تھی۔ اس کے جانے کے بعد سے تو میری کبھی اس سے بھولے بھٹکے بھی کوئی بات چیٹ یا رابطہ نہ ہوا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

خوب سارے دن گھوم گھام کر ہم لوگ واپس آگئے تھے۔ میں گھر پہنچا تو بیہ گھر پر اکیلی تھی۔ ماموں جان اور مامی کی بابت اس سے دریافت کرتا میں اپنے کمرے میں جانے لگا تو اس نے ہاتھ میں پکڑا میگزین سائڈ میں رکھتے ہوئے مجھ سے کھانے کا پوچھا تھا۔

"لڑکی واقعی سدھر گئی ہے۔" میں نے خود سے کہا تھا۔ مامی اس کی ان ہی باتوں سے تو چڑا کرتی تھیں' کوئی آئے کوئی جائے وہ اپنی ذات میں مگن۔

"چائے پلا دو۔" میں نے کھانے کے لیے منع کرتے ہوئے چائے کا کہا تو وہ جتانے والے انداز میں بولی۔

"سوچ لو میری بنائی ہوئی چائے کو چائے کے علاوہ سب کچھ کہا جا سکتا ہے اور پھر اس میں سے فلسفہ' ادب اور تاریخ وغیرہ کی خوشبو بھی آرہی ہوگی۔"

میں اس کے دل جلے انداز پر اپنی مسکراہٹ چھپا نہیں پایا تھا۔

"کوئی بات نہیں یار! کبھی کبھار منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے چائے میں فلسفیانہ مزہ شامل کر لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔"

وہ بغیر کچھ کہے اٹھ کر چلی گئی تھی۔ میں یونہی کچھ سستی کے عالم میں وہیں صوفے پر دراز ہو گیا تھا۔ پاس رکھا میگزین جو وہ پڑھتے پڑھتے الٹ کر وہیں رکھ گئی تھی' میں نے وقت گزاری کے لیے اٹھا لیا۔ وہ صفحہ جو وہ پڑھتے پڑھتے گئی تھی اسے دیکھتے ہوئے بے ساختہ میرے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ سردیوں میں کینوؤں کے چھلکوں کا ماسک کس طرح تیار کیا جائے گا اور بادام میں دودھ ملا کر ماسک کس طرح تیار ہوتا ہے۔ ملتانی مٹی کس قسم کی جلد کے لیے مناسب رہتی ہے۔ پلکیں لمبی گھنی کرنے کے لیے زیتون کے تیل کا مساج اور بالوں میں انڈا اور دہی ملا کر کب اور کیوں لگائے جاتے ہیں' یہ سب اس میں درج تھا اور میرا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا تھا۔

قدموں کی چاپ پر میں نے جلدی سے میگزین واپس رکھ دیا اور آنکھیں بند کر کے یوں لیٹ گیا، جیسے اس وقت سے اسی پوزیشن میں تھا۔ چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے لیتے میں نے ایک نظر بغور اسے دیکھا تو احساس ہوا کہ ان میں سے بہت سے نسخے غالباً" بڑی پابندی سے استعمال کیے جا رہے تھے۔ حالانکہ وہ بالکل سادہ سے حلیہ میں تھی، نہ میک اپ، نہ کوئی اور تیاری۔ مگر اپنے نئے فریم والے گلاسز میں جو اس کے چہرے پر زبردست سوٹ کر رہے تھے، اتنی اچھی تو لگ ہی رہی تھی کہ میں ایک ٹک اسے دیکھے گیا تھا۔ وہ میرے اس طرح دیکھنے پر کچھ جھینپ گئی تھی۔

"جہاں زیب انکل کا فون آیا تھا۔ کہہ رہے تھے وہ لوگ پاکستان آ رہے ہیں۔ ارسلان اور احمد کی چھٹیاں ہو گئی ہیں نا۔" اس کے بتانے پر میں جانے کیا کچھ سوچنے لگا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥
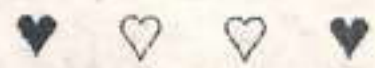
پاپا کے آنے پر میں نے پہلی فرصت میں ان سے وہ بات کر لی تھی جو کافی دنوں سے کرنا چاہ رہا تھا۔ انہیں میری پسند سے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ وہ لوگ سلمیٰ آنٹی کے بھائی کے گھر ٹھہرے تھے اور میری خواہش پر پاپا، سلمیٰ آنٹی، ارسلان اور احمد اسی شام ماموں جان کے ہاں آ گئے تھے۔ میرے فائنل ایگزیمز ختم ہو گئے تھے۔ آج کل میں اپنے پروجیکٹ میں مصروف تھا۔ پروجیکٹ سے فارغ ہو جانے کے بعد تو مجھے یہاں سے چلے ہی جانا تھا اور جانے سے پہلے میں اپنی نیا پار لگانا چاہتا تھا۔ یوں بھی پچھلے دنوں جو بیہ کی کوئی رشتہ دار خاتون بڑی پابندی سے یہاں کے چکر کاٹ رہی تھیں اور ہر چکر میں اسے خوب لپٹا لپٹا کر پیار بھی کیا کرتی تھیں۔ وہ مجھے خاصا مشکوک کر دیا کرتا تھا۔

یہ بات بھی مامی سے باتوں باتوں میں پتا چل چکی تھی کہ وہ اپنے لاڈلے سپوت کے لیے رشتہ ڈھونڈنے میں مصروف ہیں اور یہی بات مجھے ڈرا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ غصہ بھی آ رہا تھا۔ پہلے بھی تو یہ ہی بیہ تھی۔ تب تو کوئی اسے پوچھتا بھی نہیں تھا اور اب اتنی دیوانہ وار چاہت۔ اب لوگوں کو اس کا دل بھی خوب صورت نظر آنے لگا ہے اور بھی بہت سی اچھائیاں نظر آنے لگی ہیں۔ اسے اس رنگ میں تو میں اپنے لیے لایا ہوں، اب کسی اور کو اتنی آسانی سے اسے لے جانے دے سکتا ہوں۔ وہ میرے گھر کے علاوہ کوئی گھر نہیں ہو سکتا اور وہ میرے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا جس سے تمہاری زندگی وابستہ ہوگی۔

ماموں جان اور مامی پہلے تو حیران ہوئے تھے۔ میں بھی وہیں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ پتا نہیں حوروں کا ذکر کیا ہوتا ہے۔ بہرحال اگر آسمان سے وہ بھی آ جاتا تا مامی تب بھی مجھے اس پر ترجیح دیتیں۔ اتنا اندازہ تو مجھے اچھی طرح تھا۔ بغیر کسی سوچ بچار کے ماموں جان اور مامی نے فوراً" رشتے کے لیے اپنی طرف سے منظوری دے دی تھی۔

"ہمارے لیے تو عباس سے بڑھ کر کوئی بھی نہیں ہو سکتا مگر بیہ سے پوچھنا بھی تو ضروری ہے۔ میں اس معاملے میں اولاد پر زبردستی کرنے یا اپنا فیصلہ مسلط کرنے کا قائل نہیں۔"

ماموں جان نے بڑی سنجیدگی سے پاپا سے کہا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥
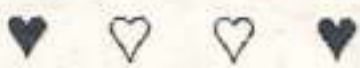
"تم افیئر زرمین سے چلا رہے ہو اور پرپوز مجھے کر رہے ہو۔" (یہ افلاطون کی بچی مانے گی نہیں۔ ارے احمق لڑکی ایسے موقعوں پر لڑکیاں شرماتی ہیں نہ کہ لڑنے کھڑی ہوتی ہیں) میں نے اس کے لال پیلے ہوتے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

"میرا زرمین کے ساتھ کوئی افیئر نہیں۔" میں نے سنجیدگی سے اسے جواب دیا تھا۔

"ہاں میں تو پاگل ہوں نا، مجھے تو جیسے کچھ نظر ہی نہیں آتا۔" وہ طنزیہ انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"اس اسٹڈی میں رکھی آدھی سے زیادہ کتابیں تمہاری ذاتی ملکیت ہیں اور اتنی عالم فاضل لڑکی کو پاگل سمجھنے کی حماقت تو میں کبھی بھی نہیں کر سکتا مگر بہت کتابیں پڑھنے کے باوجود بھی تمہارا علم خام رہ گیا۔ تمہیں لوگوں کے چہرے پڑھنے نہیں آئے۔ کون

تمہارے لیے کیا فیلنگز رکھتا ہے یہ سمجھنا نہیں آیا۔"

میں ایک دم کرسی چھوڑ کر اس کے عین سامنے کھڑا ہو گیا تھا اور اس کے چہرے پر نظریں مرکوز کیے بہت گہرے لہجے میں بولا تھا۔ وہ میرے انداز پر ایک دم بوکھلا سی گئی تھی۔ وہ جتنے طوفانی انداز میں چیختی چلاتی اسٹڈی میں آئی تھی۔ اس کے برخلاف بڑی خاموشی سے چپ چاپ باہر نکل گئی تھی۔

اگلا دن میرے لیے بہت سی خوشیاں لے کر آیا تھا۔ میں پروجیکٹ کے سلسلے میں مختلف فرمز اور کمپنیوں میں خوار ہوتا شام میں گھر آیا تو پاپا وغیرہ آئے بیٹھے تھے۔

"بھیا جلدی سے اندر آئیں۔" ارسلان پورچ میں ہی میرا استقبال کرنے کھڑا تھا۔ میں ان لوگوں کی آمد اور اتنے پُرجوش انداز پر حیران تھا۔ کل ہی تو یہ لوگ ہو کر گئے تھے آج پھر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ اندر بڑھا تو کچن سے نکلتی مامی بھی میری طرف دیکھ کر مسکرائیں۔ سب کی مسکراہٹوں اور خوشیوں کا پس منظر اچانک ہی میری سمجھ میں آگیا تھا۔

"جلدی سے فریش ہو کر آجاؤ، سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں۔"

مامی نے مجھ سے کہا تھا۔ ڈرائنگ روم سے باقی تمام لوگوں کی باتوں اور قہقہوں کی آواز آرہی تھیں۔ میں فریش ہو کر ڈرائنگ روم میں آیا تو اندر کا منظر میری خوشیوں میں اضافہ کا باعث تو تھا مگر حیرت کا نہیں۔

میں اندازہ لگا چکا تھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے ارسلان اور احمد کا شور شرابا، پاپا اور سلمیٰ آنٹی کے پاس بیٹھی بیہ اور وہ بھی میرا لایا ہوا سوٹ پہنے۔ حالانکہ اسے خریدتے وقت میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ سوٹ وہ ہماری انگیجمنٹ کے دن پہنے گی۔ میں ان لوگوں کے بالکل سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ کوئی بڑے پیمانے پر تقریب تو ہو نہیں رہی تھی جو وہ خاص طور پر تیار ہوتی مگر اس سوٹ اور بالکل معمولی سی تیاری کے ساتھ بھی وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ سر جھکائے بالکل خاموش، کچھ شرماتی ہوئی۔ پاپا نے اسے رنگ پہنائی تھی۔ سلمیٰ آنٹی نے مٹھائی کھلائی تھی۔ سب خوش تھے، ہنسی مذاق، باتیں، قہقہے، ہنگامے۔

جلدی جلدی میں بھی مامی نے ڈنر پر خاصا اہتمام کر لیا تھا۔ وہ سارا وقت سر جھکائے شرمائی شرمائی سی رہی تھی اور میں اسے شرماتا دیکھ کر خاصا حیران ہو رہا تھا۔ کھانے کے بعد وہ لوگ چلے گئے تو ماموں جان اور بیہ بھی اپنے اپنے بیڈ رومز میں چلے گئے۔

میں اور مامی لاؤنج میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ مامی سے تو میری ہمیشہ سے ہی دوستی رہی ہے۔ یوں بھی ہر بات وہ مجھ سے شیئر کرتی تھیں اب اس رشتے پر خوشی کا اظہار میرے سامنے کیوں نہ کرتیں۔

"مجھے تو ہمیشہ ہی سے تم اچھے لگتے ہو عباس مگر اس نظر سے تو میں نے کبھی تمہارے لیے سوچا نہیں تھا۔ میں نے کبھی تمہارے اور بیہ کے متعلق اس طرح نہیں سوچا تھا۔ بلکہ کبھی بھولے بھٹکے بھی یہ خیال میرے دل میں نہیں آیا۔ تم نے یہ بات کیسے سوچ لی؟"

میں ان کے سوال پر مسکرا دیا تھا۔ "وہ اس لیے مائی سویٹ مامی! کہ آپ نے تو صرف اپنی بگڑی ہوئی صاحبزادی کو سدھارنے کا کام میرے ذمے لگایا تھا، مگر میں نے یہ سوچا کہ کہیں میرے سدھارنے کے کچھ عرصہ بعد وہ دوبارہ نہ بگڑ جائے اس لیے کیوں نہ یہ ذمہ داری مستقل ہی قبول کر لوں۔"

وہ میرے جواب پر ہنس پڑی تھیں۔ "میں اس لڑکی کی طرف سے کتنا فکر مند رہا کرتی تھی۔ لوگ تو ماؤں کی تربیت کو ہی الزام دیتے ہیں۔ ہر وقت فلاسفر بنی، نہ کپڑوں کا ہوش نہ دنیا زمانے کی کوئی فکر اور اب تم نے دیکھا ہے، اسے تیار ہونے کا ڈھنگ بھی آگیا ہے۔ کچھ لڑکیوں والے کام بھی کرنے لگی ہے اور تو اور آج کل ککنگ میں بھی دلچسپی لینے لگی ہے۔ یہ سب صرف تمہاری وجہ سے ہے عباس! ورنہ میں تو ہر جتن کرنے کے بعد مایوس ہو چکی تھی۔"

وہ میرا ہاتھ تھام کر تشکرانہ انداز میں بول رہی تھیں

مگر میں ان کی بات زیادہ توجہ سے سن نہیں سکا تھا۔ میں سامنے لگے آئینہ میں بیہ کو لاؤنج کی طرف آتے اور پھر ایک دم مڑ کر تیزی سے واپس جاتے دیکھ چکا تھا اور اسی چیز نے مجھے مامی کی بات پر توجہ نہیں دینے دی تھی۔

"میرا خیال ہے اب سونا چاہیے۔" میرے کہنے پر وہ بھی گھڑی دیکھتی اٹھ گئی تھیں۔ انہیں شب بخیر کہتا میں سیدھا اس کے کمرے کی طرف آیا تھا۔ جو باتیں اس نے سن لی تھیں وہ اس انداز میں اس تک نہیں پہنچنی چاہیے تھیں اور اس بات نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ میری دستک کے جواب میں جب کافی دیر تک کوئی آواز نہیں آئی تو میں خود ہی دروازہ کھول کر اندر آ گیا تھا۔ دونوں ہاتھ لٹکائے وہ بیڈ پر بالکل ساکت سی بیٹھی ہوئی تھی۔ میرے اندر آنے کا بھی اس نے کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔

"بیہ!" میں نے اسے آواز دی تھی مگر اس نے سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ میں اس کے بالکل سامنے کارپٹ پر بیٹھ گیا تھا۔

"میری بات سنو بیہ!" میں نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر پیار سے کہا اور آگے بھی بہت کچھ بولنا چاہتا تھا کہ وہ فوراً ہی میرا ہاتھ جھٹک کر چلائی تھی۔

"تم میرے ساتھ مزید کوئی ڈرامہ مت کرنا عباس! اس وقت مجھے اپنے آپ سے نفرت ہو رہی ہے۔ میں جسے محبت سمجھتی تھی وہ تو ڈرامہ تھا۔ مجھ بگڑی ہوئی کو سدھارنے کا ایک پلان۔ تمہاری توجہ، تمہاری ہر ایک بات سب جھوٹ تھی۔ یہ سوٹ جو آج میں نے بڑی خوشی خوشی پہنا تھا کہ اسے تم میرے لیے بہت پیار سے لائے تھے۔ یہ بھی جھوٹ تھا، دھوکا تھا۔ کیوں تم ماما کی محبت میں اتنی بڑی قربانی دے رہے ہو عباس! مجھ میں تو کوئی اچھائی ہی نہیں ہے۔ ہاں واقعی میرا علم خام رہ گیا۔ مجھے لوگوں کو سمجھنا نہیں آیا۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

"ایسا نہیں ہے بیہ! تم بالکل غلط سمجھ رہی ہو۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ سوٹ میں واقعی تمہارے لیے بہت پیار سے لایا تھا۔" میں نے اس کے آنسو صاف کرنا چاہے تو اس نے ہاتھ جھٹک دیے۔

"ہم لوگ تم میں تبدیلی پیدا کرانا چاہتے تھے" یہ بالکل سچ ہے۔ تم خود بتاؤ تمہارا وہ انداز کیا نارمل انداز کہلایا جا سکتا تھا۔ مامی کی اس حوالے سے فکرمندی بالکل جائز تھی۔ ماموں جان نے تمہاری قابلیت اور علم کی تعریفیں کر کر کے تمہیں عام لڑکیوں سے بہت مختلف بنا دیا تھا۔ اتنا مختلف کہ تم ابنارمل لگنے لگی تھیں۔ میں نے مامی کے کہنے پر تم میں تبدیلی پیدا کروانے کی یا اگر تم مائنڈ نہ کرو تو تمہیں سدھارنے کی ذمہ داری قبول کی تھی۔ اس وقت میں نے صرف مامی کے کہنے پر یہ بات مانی تھی ورنہ تم جس طرح کی ہولناک اور خطرناک باتیں کیا کرتی تھیں، ان سے میں پناہ مانگا کرتا تھا۔ مگر یہ بالکل شروع شروع کی بات ہے۔ بالکل شروع کی جب میں تمہیں مامی کی خاطر برداشت کرتا تھا۔ بعد میں آہستہ آہستہ پتا نہیں مجھے کیا ہوا تھا جو کام میں نے مامی کی خاطر شروع کیا تھا وہ خود اپنی خاطر کرنے لگا تھا۔ تم ہر طرح تبدیل ہو جاؤ۔ بالکل ایک آئیڈیل لڑکی بن جاؤ۔ میرے لیے تم بالکل ویسی ہی ہو جاؤ جیسا میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ بس یہی میری خواہش تھی۔ مجھے تو تم اس طرح بھی اچھی لگتی تھیں اگر میں تمہیں اس رنگ اور اس روپ میں نہ ڈھالتا۔ تم سر جھکانا اور شرمانا نہ سیکھتیں، بننا سنورنا تمہیں نہ آتا تو پھر بعد میں جب ہم ایک ساتھ کہیں جاتے تو لوگ تمہاری چوائس اور تمہارے ٹیسٹ کی تو خوب تعریفیں کیا کرتے اور مجھے بدذوق اور پاگل قرار دیتے۔"

سنجیدگی سے شروع کی گئی بات کے آخر میں، میں غیر سنجیدہ ہو گیا تھا۔ مگر وہ تب بھی ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔ اسی طرح ناراض شکل لیے خفا خفا سی بیٹھی تھی۔

"ہاں اب تو تم مجھے اسی طرح نظر انداز کرو گی، اب تمہارے اور بہت سے طلب گار جو پیدا ہو گئے ہیں۔ وہ تمہاری ممانی جان بھی خوب پھیرے لگا رہی ہیں۔

خوب تم پر دل بھر کر انہیں پیار آتا ہے۔ اب تم سب کو بہت پیاری لگتی ہو بہت گڈ لکنگ اور بہت اٹریکٹو اور یہ ہے بھی بالکل سچ۔ مگر یہ! میں نے تمہاری خوب صورتی کی وجہ سے تم سے محبت نہیں کی۔ تم مجھے اس وقت اچھی لگتی تھیں جب تم خوب صورتی کے کسی پیمانے پر پوری اترتی نظر نہیں آتی تھیں۔"

میں نے شکوہ کرنے والے انداز میں اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ وہ اب میری طرف دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں سے ناراضی اور خفگی کی دھند کچھ چھٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"اور ویسے تو تمہیں اچھا لگنے کا، اور تیار ہونے کا کچھ خاص شوق نہیں۔ مگر پھر بھی تم ان کپڑوں میں بہت پیاری لگ رہی ہو۔ اب ہو سکتا ہے یہ اچھا لگنا کینوؤں، مالٹوں، ملتانی مٹی اور کھیرے کی وجہ سے ہو بہرحال یہ سچ ہے کہ تم ان کپڑوں میں ہمیشہ سے زیادہ خوب صورت لگ رہی ہو۔"

وہ اپنی تعریف پر تھوڑا سا شرمائی تھی مگر جملے کا اختتامی حصہ سن کر اس نے مجھے گھورنا شروع کر دیا تھا۔

"پرفیوم بھی تم نے پتا نہیں کون سا لگایا ہے مگر جو بھی ہے خوشبو لاجواب ہے۔" میں نے خوب گہرا سا سانس لیتے ہوئے کہا تھا۔

"حالانکہ ان پرفیومز اور ہیئر اسپریز میں کتنے خطرناک اور مہلک کیمیکلز شامل ہوتے ہیں۔ خاص طور پر "CHLORO-FLOURO CARBONS" اور یہ کتنا خطرناک کیمیکل ہے۔ اوزون کی لیئر کی تباہی میں بہت بڑا ہاتھ ہے اس کیمیکل کا۔"

میں نے شرارت بھری نگاہیں اس کے چہرے پر ڈالیں تو کچھ جھینپ کر اس نے ایک دم وہاں سے اٹھنا چاہا تھا۔

"ابھی آپ کہاں جا سکتی ہیں محترمہ! ابھی تو مجھے آپ سے مہاتما گوتم بدھ کے اقوال سننے ہیں۔ گنے اور کپاس کی فصلوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہیں اور ڈارون کے نظریہ کے بارے میں بھی تو ہم لوگ سیر حاصل گفتگو کریں گے۔"

میں نے اسے مزید چھیڑا تو وہ مجھے گھورتے ہوئے چلائی تھی "سدھر جاؤ تم عباس۔"

ساتھ ہی پاس رکھا کشن بھی میرے اوپر پھینکا گیا تھا جو میں نے بڑے آرام سے کیچ کر لیا تھا۔